مقام صحابہ رضؓ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی ۱۴

مؤلف : مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

کتابت: ایم۔ احمد۔ صدیقی

طباعت: مشہور آفسٹ پریس

تعداد : گیارہ سو

بار اول: ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

قیمت : ۲ روپیہ ۷۵ پیسہ
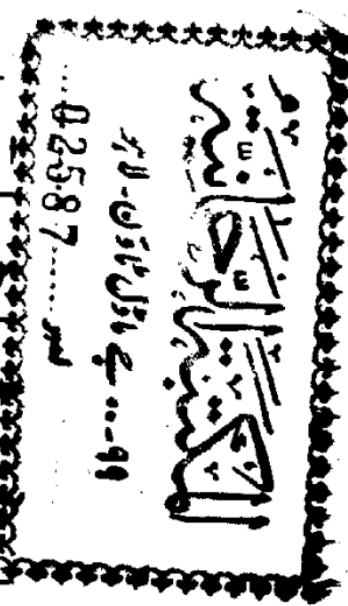
ملنے کے پتے :-

۔ ادارۃ المعارف، ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۔ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ۔ کراچی۔

۔ ادارۂ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴

حرفِ آغاز

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بحمد اللہ آج ہم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی تازہ ترین تالیف "مقامِ صحابہؓ" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی ہے جو ہمارے زمانہ میں عرصے سے معرکۂ بحث وجدال بنا ہوا ہے۔ اہل تشیع اور اہل سنت کے علاوہ خود اہلِ سنت کے مختلف گروہوں نے اس میں افراط و تفریط اختیار کی ہوئی ہے اور مستشرقانہ تحقیق کی وبارِ عام نے اس میں اور شدّت پیدا کی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اپنے مخصوص انداز میں اس موضوع پر محققانہ اور ناصحانہ گفتگو کی ہے اور مسئلہ کے ایسے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جن میں وہ شاید اب تک منفرد ہیں، اس کتاب میں آپ کو علم، عقل اور عشق کا وہ حسین امتزاج ملے گا جو اہل سنت کی نمایاں خصوصیت ہے، اور امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب دلوں سے شکوک و شبہات کے بہت سے کانٹے نکال دے گی۔ واللہ الموفق والمعین۔

احقر

محمد رفیع عثمانی

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۴	تحقیق کی دبا
۵	کون سی تحقیق مستحسن ہے۔
۸	غلط فہمیوں کا اصل سبب
۹	فن تاریخ کی اہمیت اور اس کا درجہ
۱۱	فن تاریخ کی اسلامی اہمیت
۱۸	اسلام میں فن تاریخ کا درجہ
۱۹	روایات حدیث اور روایات تاریخ میں زمین وآسمان کا فرق عظیم
۲۳	لیکن دنیا کی عام تاریخ کو نہ یہ مقام حاصل ہو سکتا تھا، نہ ہے۔
۳۰	صحابہ اور مشاجرات صحابہ کا مسئلہ
۳۳	صحابہ کرام کی چند خصوصیات
" "	نصوص قرآن کریم

عنوان	صفحہ
صحابہ کرامؓ کا خصوصی مقام احادیث نبویہ میں	۴۷
قرآن وسنت میں مقام صحابہ کا خلاصہ	۵۶
اس پر امت محمدیہ کا اجماع	۵۷
الصحابۃ کلہم عدول کا مفہوم	۶۱
ایک اشکال وجواب	۶۴
مشاجرات صحابہ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ اور عمل۔	۸۳
ایک سوال اور جواب	۸۴
صحابہ کرام معصوم نہیں مگر مغفور ومقبول ہیں	۱۰۷
مستشرقین اور ملحدین کے اعتراضات کا جواب	۱۱۵
عین جنگ کے وقت بھی صحابہؓ کرام کی رعایت حدود۔	۱۲۳
تنبیہہ	۱۳۰
مشاجرات صحابہ اور کتب تواریخ	۱۳۱
یہ عقل وانصاف کا فیصلہ ہے یا تحقیق حق سے فرار	۱۳۴
دردمندانہ گذارش	۱۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ عدد کلماتہ وزنۃ عرشہ ورضی نفسہ

والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ محمد وآلہ

وصحبہ الذین ھم النجوم المھتدی بھم والقدوۃ والائمۃ

فی معانی القرآن والسنۃ وھم الادلاء علی الصراط المستقیم

بعد رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اما بعد

زیر نظر مقالہ کا نام "مقام صحابہ" رکھا ہے تاکہ پہلے ہی یہ معلوم ہو جائے کہ یہ صحابہ کرام کے فضائل ومناقب کی کتاب نہیں اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں بحمد اللہ ہر زبان میں موجود ہیں اور تمام کتب حدیث میں اس کے ایک نہیں بہت سے ابواب موجود ہیں۔ صحابہ کرام کا تو مقام بہت بلند ہے عام صلحاء واولیاء امت کے فضائل ومناقب اور ان کی حکایات انسان کو راہ راست دکھانے اور اس میں دینی انقلاب پیدا کرنے کے لئے نسخہ اکسیر ہیں۔ مگر وہ اس رسالہ کا موضوع نہیں۔ اسی طرح اس عنوان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی

تاریخ کی کتاب بھی نہیں۔ جس میں افراد و رجال کے اچھے برُے حالات درج ہوتے ہیں اور ان میں احوال کی کثرت وقلت کے تناسب سے کسی کو بزرگ صالح اور ولی کہا جاتا ہے کسی کو فاسق ظالم۔

کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کا کوئی اچھے سے اچھا انسان ایسا نہیں۔ جس سے کوئی لغزش اور غلطی نہ ہوئی ہو اسی طرح کوئی برُے سے برا انسان ایسا بھی نہیں جس سے کوئی اچھا کام نہ ہوا۔ بس مدار کار اس پر رہتا ہے کہ جس شخص کی زندگی اچھے اخلاق و اعمال میں گذری ہے اس کا صدق و اخلاص بھی اس کے عمل سے پہچانا گیا ہے، اس سے کوئی گناہ یا غلطی بھی ہوگئی تو بھی اس کو صلحاء امت ہی کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی عام زندگی میں دین کی حدود و قیود کا پابند احکام شرعیہ کا تابع نہیں ہے اس سے دو چار اچھے بلکہ بہت اچھے کام بھی ہو جائیں تو بھی اس کو صلحاء و اولیاء کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاتا۔

فن تاریخ کا کام اتنا ہے کہ واقعات کو دیانت داری سے ٹھیک ٹھیک بیان کر دے اس سے نتائج کیا نکلتے ہیں اور کسی فرد یا جماعت کا دینی یا دنیاوی مقام ان واقعات کی روشنی میں کیا ٹھہرتا ہے؟ یہ فن تاریخ کے موضوع سے الگ ایک چیز ہے جس کو فقہ التاریخ تو کہہ سکتے ہیں تاریخ نہیں،

پھر عام دنیا کے افراد و رجال اور جماعتوں کے بارے میں یہ فقہ التاریخ انہیں تاریخی واقعات پر مبنی ہوتا ہے اور فن تاریخ کا ہر واقف وہ

ماہر ایسے نتائج اپنی اپنی فکر ونظر کے مطابق نکال سکتا ہے۔

"مقام صحابہ" میں مجھے یہ دکھلانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی صحابہ کرامؓ اس معاملے میں عام دنیا کے افراد و رجال کی طرح نہیں کہ ان کے مقام کا فیصلہ نری تاریخ اور اس کے بیان کردہ حالات کے تابع کیا جائے بلکہ صحابہ کرامؓ ایک ایسے مقدس گروہ کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہے۔ اس واسطے کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے، نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر چھوڑا ہے۔ (لتبین للناس ما نزل الیھم) نہ رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطے کے بغیر علم ہو سکتا ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھی، آپ کی تعلیمات کو تمام دنیا اور اپنے زن و فرزند اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے آپ کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کر کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلانے والے ہیں۔ ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزء ہے۔ یہ عام دنیا کی طرح صرف کتب تاریخ سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ نصوص قرآن و حدیث اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے پہچانے جاتے ہیں ان کا اسلام اور شریعت اسلام میں ایک خاص مقام ہے۔ میں اس مقالہ میں اسی مقام کو "مقام صحابہ" کے عنوان سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس کی ضرورت واہمیت تو بہت زمانہ سے پیش نظر تھی مگر اس

کے لکھنے کا ایسا قوی داعیہ جو دوسرے کاموں کو مؤخر کرکے اس میں لگا دے
اس وقت پیدا ہوا جب کہ یہ ناکارہ اپنی عمر کی بہترویں منزل سے گذر رہا ہے
قویٰ جواب دے چکے ہیں مختلف قسم کے امراض کا غیر منقطع سلسلہ ہے،
علم و عمل پہلے ہی کیا تھا۔ اب جو کچھ تھا وہ بھی رخصت ہو رہا ہے۔

ان حالات میں یہ داعیہ قوی ہونے کا سبب موجودہ زمانے کے
کچھ حوادث ہیں یہ تو سب کو معلوم ہے کہ امت کے گمراہ فرقوں میں سے
ایک فرقہ جو عہد صحابہ ہی میں پیدا ہو گیا تھا صحابہ کرام کی شان میں گستاخی
سے پیش آتا ہے اور اسی بناپر عام امت محمدیہ اس سے منقطع ہے۔
مگر امت کے عام فرقے خصوصاً جمہور امت جن کو اہل السنۃ والجماعۃ
کے لقب سے ذکر کیا جاتا ہے ۔ وہ سب کے سب صحابہ کرام کے خاص
مقام اور ادب و احترام پر متفق اور ان کی عظیم شخصیتوں کو اپنی تنقیدات
کا نشانہ بنانے سے گریز کرتے رہے ۔ اور اس کو بڑی بے ادبی سمجھتے رہے
مسائل میں اختلاف صحابہؓ کے وقت دو متضاد چیزوں پر ظاہر ہے کہ
عمل نہیں ہو سکتا، ان میں سے ایک کو اجتہاد شرعی کے ساتھ اختیار کر لینا
اور بات ہے، وہ کسی شخصیت کو ہدف تنقید بنانے سے بالکل مختلف
چیز ہے۔

"تحقیق" کی وبا

لیکن اس زمانے میں یورپ سے جو اچھی بُری
چیزیں اسلامی ملکوں میں درآمد کر لی گئی ہیں ان
میں ہر چیز کی تحقیق و تنقید (ریسرچ) بھی ہے۔ تحقیق و تنقید فی نفسہ کوئی

بری چیز نہیں، خود قرآن کریم نے اس کی طرف دعوت دی ہے سورہ فرقان میں "عباد الرحمٰن" کے عنوان سے اللہ تعالیٰ کے صالح اور نیک بندوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صمًّا وعمیانا: یعنی اللہ کے یہ صالح اور نیک بندے آیات الٰہیہ پر اندھے بہروں کی طرح نہیں گر پڑتے کہ بے تحقیق جس طرح اور جو چاہیں عمل کرنے لگیں، بلکہ خوب سمجھ بوجھ کر بصیرت کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

لیکن اسلام نے ہر چیز اور ہر کام کے کچھ حدود مقرر کئے ہیں، ان کے دائرے میں رہ کر جو کام کیا جائے وہ مقبول و مفید سمجھا جاتا ہے حدود و صول کو توڑ کر جو کام کیا جائے وہ فساد قرار دیا جاتا ہے۔

کون سی تحقیق مستحسن ہے

تحقیق و تنقید میں سب سے پہلی بات تو اسلامی اصول میں یہ پیش نظر رکھنی ہے کہ اپنی توانائی اور وقت اس چیز کی تحقیق پر صرف نہ کی جائے جس کا کوئی نفع دین یا دنیا میں متوقع نہ ہو، خالی تحقیق برائے تحقیق اسلام میں ایک عبث اور فضول عمل ہے، جس سے پرہیز کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ خصوصًا جبکہ کوئی ایسی تحقیق و تنقید ہو جس سے دنیا میں فتنہ اور جھگڑے پیدا ہوں۔ یہ ایسی ہی تنقید ہو گی۔ جیسے کوئی لائق بیٹا اس کی تحقیق اور ریسرچ میں لگ جائے کہ میں جس باپ کا بیٹا کہلاتا ہوں کیا واقعی میں اسی کا بیٹا ہوں اور اس کے لئے والدہ محترمہ کی زندگی کے گوشوں پر ریسرچ و تحقیق

کا زور خرچ کرے۔ دوسرے شخصیتوں پر جرح وتنقید کے لئے اسلام نے کچھ عادلانا حکیمانہ اصول اور حدود مقرر کئے ہیں اوران سے آزاد ہو کر جس کا جی چاہے، جو جی چاہے اور جس کے خلاف جی چاہے بولا یا لکھا کرے، اس کی اجازت نہیں دی۔ یہاں اس کی تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں، حدیث کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی گئی ہے۔

لیکن یورپ سے درآمد کی ہوئی ریسرچ وتحقیق نام ہی بے قید اور آزاد تنقید کا ہے۔ ادب اور احترام اور حدود کی رعایت اس میں ایک بے معنی چیز ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانے کے بہت سے اہل قلم بھی اس نئے طرز تنقید سے متاثر ہو گئے۔

بغیر کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے بڑی بڑی شخصیتوں کو آزاد جرح وتنقید کا ہدف بنا لینا ایک علمی خدمت اور محقق ہونے کی علامت سمجھی جانے لگی۔

اسلاف اُمت اور ائمۂ دین پر تو یہ مشق ستم بہت زمانے سے جاری تھی اب بڑھتے بڑھتے صحابہ کرامؓ تک بھی پہنچ گئی۔ اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کہنے والے بہت سے اہل قلم نے اپنی ریسرچ وتحقیق اور علمی توانائی کا بہترین مصرف اسی کو قرار دے لیا کہ صحابہ کرامؓ کی عظیم شخصیتوں پر جرح وتنقید کی مشق کی جاوے۔

بعض حضرات نے ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی تائید وحمایت کا نام لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد

بلکہ پورے بنی ہاشم کو ہدف تنقید بنا ڈالا اور اس میں صحابہ کرامؓ کے ادب واحترام تو کیا اسلام کے عادلانہ اور حکیمانہ ضابطہ تنقید کی بھی ساری حدود وقیود کو توڑ ڈالا۔ اس کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے قلم اٹھایا تو حضرت معاویہؓ اور عثمان غنیؓ اور ان کے ساتھیوں پر اور اسی طرح کی جرح وتنقید سے کام لیا۔

نئی تعلیم پانے والے نوجوان جو علوم دین اور آداب دین سے ناواقف یورپ سے درآمد کی ہوئی نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں، وہ ان دونوں سے متاثر ہوئے اور ان کے حلقوں میں صحابہ کرامؓ پر زبان طعن دراز ہونے لگی، اور صحابہ کرامؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے درمیانی واسطہ ہیں ان کو دنیا کے عام سیاسی لیڈروں کی صف میں دکھایا جانے لگا، جو اقتدار کی جنگ کرتے ہیں اور اپنے اپنے اقتدار کے لئے قوموں کو گمراہ اور تباہ کرتے ہیں۔ صحابہ کرام پر تبرا کرنے والا گمراہ فرقہ تو ایک خاص فرقہ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے عام مسلمان ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ مگر اب یہ فتنہ خود اہل سنت والجماعت کہلانے والے مسلمانوں میں پھوٹ پڑا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ خدانخواستہ اگر مسلمان صحابہ کرامؓ ہی کے اعتماد کو کھو بیٹھے تو پھر نہ قرآن پر اعتماد رہتا ہے، نہ حدیث پر، نہ دین اسلام کے کسی اصول پر، اس کا نتیجہ کھلی بے دینی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

یہ سبب ہوا جس نے ان حالات میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے مجبور کر دیا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

غلط فہمیوں کا اصل سبب

اس دور میں جب کہ پوری دنیا میں اسلامی شعائر کی کھلی توہین فحاشی، عریانی، حرام خوری، قتل وغارت گری اور باہمی جنگ وجدال مسلمانوں میں طوفانی رفتار سے بڑھ رہا ہے اور دشمنانِ اسلام کی ہر جگہ مسلمانوں پر یلغار ہے اس وقت میں ان محققین ناقدین نے گڑے مردے اکھاڑنے اور سوئے ہوئے فتنے بیدار کرنے کو اسلام کی بڑی خدمت کیوں سمجھا اس بحث کو چھوڑ کر میں مقام صحابہؓ میں اس چیز کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو ان حضرات کے لئے مغالطہ کا سبب بنی اور پھر ان کے عمل سے دوسرے لوگوں کے لئے بہت سے دینی مسائل میں مغالطوں کا ذریعہ بن گئی۔

بات یہ ہے کہ ان حضرات نے حضراتِ صحابہؓ کی شخصیتوں کو بھی عام رجال امت کی طرح صرف تاریخی روایات کے آئینہ میں دیکھا اور تاریخ کی صحیح سقیم روایات کے مجموعہ سے وہ جس نتیجہ پر پہنچے، وہی مقام ان مقدس شخصیتوں کے لئے تجویز کر لیا، اور ان کے اعمال وافعال کو اسی دائرے میں رکھ کر پرکھا۔

قرآن وسنت کی نصوص اور امت کے اجماعی عقیدہ نے جو امتیاز صحابہ کرام رضؓ کی ذات وشخصیات کو عطا کیا ہے وہ نظر انداز کر دیا گیا۔ وہ امتیازی خصوصیت حضرات صحابہؓ کی یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان سب کے بارے میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا، اور ان کا مقامِ جنت ہونے کا اعلان کر دیا اور جمہور امت نے ان کی ذات وشخصیات کو اپنی جرح وتنقید سے بالاتر قرار دیا۔ ان کے مختلف مسائل ومسالک میں سے عمل کے لئے شرعی حدود اجتہاد کے دائرے میں کسی ایک کو ترجیح دے کر اختیار کر لینا اور دوسرے کو مرجوح قرار دے کر ترک کر دینا دوسری چیز ہے، اس سے جس کے مسلک کو مرجوح قرار دیا گیا ہے اس کی ذات اور شخصیت نہ مجروح ہوتی ہے اور نہ ایسا کرنا ان کے ادب کے خلاف ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل فرض ہے اور اختلاف اقوال کے وقت دو متضاد چیزوں پر عمل ناممکن ہے شرعی فریضہ کی ادائیگی کے لئے اقوال مختلفہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ناگزیر ہے، بشرطیکہ دوسرے کی ذات اور شخصیت کے بارے میں کوئی ادنیٰ بے ادبی باکسر شان کا پہلو اختیار نہ کیا جائے۔

فن تاریخ کی اہمیت اور اس کا درجہ

اوپر جو یہ لکھا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی ذوات وشخصیات اور ان کے مقام کا تعین صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر کر لینا درست نہیں، کیوں کہ یہ حضرات رسالت اور امت کے درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے ازروئے قرآن وسنت ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ تاریخی روایات کا

یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بناء پر ان کے اس مقام کو گھٹایا یا بڑھایا جا سکے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ فن تاریخ بالکل ناقابل اعتبار و بیکار ہے (آگے اسلام میں اس کی ضرورت و اہمیت واضح کی جائے گی) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اعتبار و اعتماد کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔

اسلام میں اعتبار و اعتماد کا جو مقام قرآن کریم اور احادیث متواترہ کا ہے وہ عام احادیث کا نہیں، جو حدیث رسول ﷺ کا درجہ ہے وہ اقوال صحابہ کا نہیں۔ اسی طرح تاریخی روایات کے اعتماد و اعتبار کا بھی وہ درجہ نہیں ہے جو قرآن و سنت یا سند صحیح سے ثابت شدہ اقوال صحابہؓ کا ہے۔

بلکہ جس طرح نص قرآنی کے مقابلہ میں اگر کسی غیر متواتر حدیث سے اس کے خلاف کچھ مفہوم ہوتا ہو تو اس کی تاویل واجب ہے، یا تاویل سمجھ میں نہ آئے تو نص قرآنی کے مقابلہ میں اس حدیث کا ترک واجب ہے، اسی طرح تاریخی روایات اگر کسی معاملے میں قرآن و سنت سے ثابت شدہ کسی چیز سے متصادم ہوں تو وہ بمقابلہ قرآن و سنت کے متروک یا واجب التاویل قرار دی جائے گی خواہ وہ تاریخی اعتبار سے کتنی ہی معتبر و مستند روایات ہوں۔

اعتبار و اعتماد کی یہ درجہ بندی کسی فن کی عظمت و اہمیت کو گھٹاتی نہیں، البتہ شریعت اور اس کے احکام کی عظمت کو بڑھاتی ہے کہ ان کے ثبوت کے لئے اعتماد و اعتبار کا نہایت اعلیٰ درجہ لازم قرار دیا گیا ہے، پھر احکام شرعیہ میں بھی تقسیم کر کے عقائد اسلامیہ کے ثبوت کے لئے ہر شرعی

دلیل بھی کافی نہیں سمجھی جاتی جب تک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نہ ہو، باقی احکام عملیہ کے لئے عام احادیث جو قابل اعتماد سند کے ساتھ منقول ہوں وہ بھی کافی ہوتی ہیں۔

فن تاریخ کی اسلامی اہمیت

فن تاریخ کی اسلامی اہمیت کے لئے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ تاریخ و قصص قرآن کریم کے علوم خمسہ کا ایک اہم جزء ہیں قرآن کریم نے ایام ماضیہ اور اقوام سابقہ کے اچھے برے حالات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا، البتہ قرآن کریم نے جس طرح تاریخ و قصص کو بیان فرمایا ہے وہ ایک انوکھا انداز ہے کہ کسی قصہ کو ترتیب کے ساتھ اول سے آخر تک پورا بیان کرنے کے بجائے اس کے ٹکڑے کرکے مختلف مضامین قرآنیہ کے ساتھ لائے گئے ہیں اور صرف ایک جگہ نہیں بلکہ بار بار اس کا اعادہ فرمایا ہے۔

اس خاص طرز سے فن تاریخ کی اہمیت کے ساتھ اس کے اصلی مقصود کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اقوام سابقہ کے قصے بحیثیت قصہ کہانی کے کوئی انسانی اور اسلامی مقصد نہیں۔ بلکہ ان سے اصل مقصد و غرض وہ عبرتیں اور نتائج ہیں جو ان میں غور کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اچھے کاموں کے اچھے نتائج دیکھ کر ان کی طرف رغبت اور برے کاموں کے برے نتائج معلوم کرکے ان سے نفرت اور زمانہ کے انقلابات سے حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے مضامین حاصل کرنا ان کا اہم مقصد ہے۔

قدیم رسالے سے فسانوں اور کہانیوں اور پچھلے قصوں کو محض

ایک دل بہلانے کے مشغلے کے طور پر پڑھا اور سنا جاتا تھا۔ اسلام نے اوّل تو تاریخ لکھنے کے خاص آداب سکھلائے پھر یہ بھی بتلایا کہ تاریخ بحیثیت تاریخ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ اس کا مقصد عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں نے جب تجوید و قرأت کے قواعد کا شغل اختیار کیا تو اس میں ایسے منہمک ہو گئے کہ ساری توجہ حروف ہی کے درست کرنے پر رہنے لگی، نماز میں خشوع اور تلاوت قرآن سے تذکر جو اصل مقصد تھا اس کو فوت کر دیا۔ اسی طرح بعض مفسرین نے جب قصص پر زور دیا، اور پوری تفصیلات لکھ دیں تو ان کی کتابوں میں اصل علم تفسیر ان قصّوں میں گم ہو گیا۔

بہرحال قرآن کے علوم خمسہ میں سے قصص و تاریخ بھی ایک اہم علم ہے جس کی تحصیل اپنی حد کے اندر واجب اور بہت بڑی طاعت ہے، پھر ذخیرۂ حدیث اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کیا جائے تو وہ پورا ذخیرہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی تاریخ ہے اور حدیث کے راویوں میں جب غلط کار یا جھوٹی حدیثیں بنانے والے لوگ شامل ہو گئے تو پورے ذخیرۂ حدیث کے روایت کرنے والے راویوں کی تاریخ اور ان کے صحیح اور اصل حالات کا معلوم کرنا حدیث کی حفاظت کے لئے ضروری ہو گیا۔ حضرات ائمہ حدیث نے اس کا بڑا اہتمام فرمایا۔

سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو

ہم نے ان کے مقابلہ میں تاریخ کو سامنے کر دیا (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التواریخ للحافظ السخاوی رح ص ۹)

تاریخ کا یہ حصہ جس کا تعلق حدیث کے راویوں اور ان کے ثقہ غیر ثقہ قوی یا ضعیف ہونے سے ہے ایک حیثیت سے حدیث ہی کا جزء سمجھا گیا ہے اور ائمہ حدیث ہی نے اس حصے کے لکھنے کا اہتمام فرمایا اس کا نام بھی مستقل فن اسماء رجال رکھا گیا۔ اس کے ضروری اور واجب ہونے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ علماء امت میں جس کسی نے راویوں پر جرح و تعدیل کی بحث کو غیبت میں داخل کر کے اعتراض کیا ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہے جس میں جرح و تعدیل کی حدود شرعیہ سے تجاوز کیا گیا ہو، بے ضرورت بے مقصد عیب چینی اور کسی کو رسوا کرنا مقصود ہو۔ یا جرح و تعدیل میں اعتدال و انصاف سے کام نہ لیا گیا ہو، ورنہ رواۃ حدیث کی ضروری اور معتدل تنقید تو ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر ذخیرہ حدیث ہی کا اعتبار نہیں رہ سکتا۔ جب کہ کوئی نیک دل انسان حفاظت حدیث کی نیت سے غلط کار یا ضعیف راویوں پر معتدل تنقید کرتا ہے تو وہ حدیث رسول کا حق ادا کر رہا ہے۔

— جرح و تعدیل کے مشہور امام یحییٰ بن سعید قطان رح سے کسی نے کہا کہ آپ خدا سے نہیں ڈرتے کہ جن لوگوں کو آپ کذاب یا غیر ثقہ یا ضعیف کہتے ہیں وہ قیامت کے روز آپ کے خلاف مخاصمہ کریں، تو فرمانے لگے کہ قیامت کے روز یہ لوگ میرے خلاف احتجاج کریں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے یہ مطالبہ فرما دیں کہ میری حدیث میں جن لوگوں نے

ی پیشی کی تھی تم نے اس کی مدافعت کیوں نہیں کی (سخاویؒ، رسالۂ مذکورہ
ۃ) البتہ حضرات محدثینؒ نے جس طرح اس ضرورت کا احساس کیا کہ حدیث کے
ویوں کی پوری چھان بین کی جائے، صادق یا کاذب۔ ثقہ غیر ثقہ قوی ضعیف
و کھول کر واضح کر دیا جائے اسی طرح اس کام کو حدود شرعیہ میں رکھنے کیلئے
چند ضروری شرائط بھی رکھی ہیں جن کو حافظ عبدالرحمٰن سخاوی رو تاریخ کے
موضوع پر اپنی مستقل کتاب "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں تفصیل
سے بیان کر دیا ہے۔ جن میں سب سے پہلی شرط صحت نیت ہے کہ کسی راوی کا
عیب ظاہر کرنا، اس کو بدنام کرنا فی نفسہٖ مقصود نہ ہو بلکہ مقصد اسکی خیر خواہی
ور حدیث کی حفاظت ہو دوسرے یہ کہ صرف اس شخص کے متعلق یہ کام کیا جائے
جس کا تعلق کسی حدیث کی روایت سے یا کسی فرد یا جماعت کے نفع نقصان سے
ہے اور جس کے اظہار سے اس شخص کی اصلاح یا لوگوں کا اس کے ضرر سے بچنا
متوقع ہو۔ ورنہ فضول کسی کے عیوب کو مشغلہ بنانا کوئی دین کا کام نہیں۔

تیسرے یہ کہ اس میں بھی صرف قدر ضرورت پر اکتفا کرے کہ فلاں
ضعیف یا غیر ثقہ ہے یا روایت گھڑنے والا ہے ضرورت سے زائد الفاظ عیب
سے اجتناب کیا جائے۔

اور جو کچھ کہا جائے مقدور بھر پوری تحقیق کے بعد کہا جائے

جرح و تعدیل کے بڑے امام ابن المدینی سے کچھ لوگوں نے ان کے باپ کے
متعلق پوچھا کہ وہ روایت حدیث میں کس درجہ کے ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ بات
میرے سوا کسی اور آدمی سے پوچھو۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم آپ ہی

کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھ گئے سوچتے رہے اس کے بعد سر اٹھا کر فرمایا :-

ھو الدین ، انہ ضعیف	یہ دین کی بات ہے (اس لئے
(رسالۂ سخاوی ص۶۶)	کہتا ہوں کہ) وہ ضعیف ہیں۔

یہ حضرات ہیں جو دین کے ادب کے ساتھ رجال کے ادب اور حدود کی رعایت کے جامع تھے۔ ان کے والد روایت حدیث میں ضعیف تھے شروع میں چاہا کہ اس سوال کا جواب ان کی زبان سے نہ ہو جب اصرار کیا گیا تو ادب دین کی رعایت مقدم ہو گئی حقیقت کا اظہار کیا مگر صرف بقدر ضرورت لفظوں میں ضرورت سے زائد ایک لفظ نہیں بولا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق حفاظت حدیث سے ہے، یعنی اس کے راویوں پر تنقید اور جرح و تعدیل اور ان کے حالات کا بیان یہ تو ان علوم ضروریہ میں سے ہے جس پر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجت شرعی ہونا موقوف ہے اس لئے اس کے واجب اور ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، اور تاریخ کا یہ خاص حصہ اپنی مخصوص اہمیت کے پیش نظر مورخین کے نزدیک یہی ایک مستقل فن اسماء الرجال کے نام موسوم ہو کر علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اب کلام اس تاریخ عام میں رہ گیا جس کو عرف عام میں تاریخ کہا جاتا ہے، جس میں تخلیق کائنات اور ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے وقت تک تمام زمینی اور آسمانی واقعات اقالیم عالم اور ملکوں، خطوں اور ان میں پیدا ہونے والے اچھے بُرے لوگوں کے خصوصاً انبیاء و صلحاء اور

ملوک ورؤسار کے عام اچھے برُے حالات، دنیا کے انقلابات، جنگیں اور فتوحات وغیرہ کا ایک جہاں ہوتا ہے یہ تاریخی حکایات جمع کرنے اور رکھنے کا دستور تو بہت پرانا ہے، ہر ملک ہر خطے اور طبقے کے لوگوں میں اس طرح کی حکایات سینہ بسینہ بھی اور کچھ کتاب میں بھی منقول چلی آتی ہیں۔ لیکن عام طور پر اسلام سے پہلے یہ بغیر کسی تنقیح وتحقیق کے سنی سنائی باتوں اور افسانوں اور کہانیوں کے ایک غیر مستند مجموعہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

اسلام نے دنیا میں سب سے پہلے کسی روایت کے لئے سند واسناد کی ضرورت اور اسکی تنقیح وتحقیق کو ضروری قرار دیا قرآن کریم نے خود اس کی ہدایت کی۔

ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا۔

یعنی کوئی غیر معتبر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے اقوال وافعال کو کتابوں میں منضبط کرنے والوں نے اس خاص طریق کے ایک سے زیادہ فنون بنادیئے جس سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت تو ہو ہی گئی۔ دوسری چیزوں میں بھی نقل وروایت کے اصول بن گئے، دنیا کی عام تاریخیں بھی جو مسلمانوں نے لکھنا شروع کیں ان میں بھی جہاں تک ممکن ہوا ان .... اصول روایت کی رعایت رکھی گئی۔

اس طرح اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں کہ تاریخ کو ایک معتبر مستند فن کی حیثیت دینے والے مسلمان ہی ہیں، مسلمانوں ہی نے دنیا کو تاریخ لکھنے

اور اس کی تنقیح کا سبق دیا۔ علماء اُمت جنھوں نے قصص الانبیاء اور پھر روایاتِ حدیث کو بہت سی چھلنیوں میں چھان کر نہ صرف جھوٹ سچ کو الگ الگ کر دیا، بلکہ سچ اور معتبر روایات میں بھی درجات اعلیٰ و ادنیٰ قائم کر دیئے۔ اور حدیث سے متعلق تاریخ اسماء رجال کو علیحدہ کر کے مثل جزء حدیث بنا کر دین کی یہ اہم خدمت انجام دی۔ انہیں حضرات نے عام تاریخ عالم ملکوں اور بادشاہوں اور زمین کے مختلف حصوں کی تاریخ و جغرافیہ لکھنے پر بھی خاص توجہ مبذول فرمائی اور بڑے بڑے ائمہ حدیث و تفسیر اور اکابر علماء و فقہاء امت نے مختلف انواع و اقسام کی تاریخیں لکھیں۔ جن کی کچھ تفصیلات حافظ عبدالرحمٰن سخاوی نے اپنی کتاب الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ کے نوے[۹۰] صفحات میں جمع فرمائی ہیں یہ خود ایک دلچسپ اور مفید مجموعہ اور قابل دید مطالعہ ہے مگر یہاں اس کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔

میرا مقصد یہاں اس کے ذکر سے صرف اتنا ہے کہ علماء امت نے صرف اس حصہ تاریخ پر بس نہیں کی جس کا تعلق حفاظت اور رجال حدیث سے ہے بلکہ عام دنیا کی تاریخ جغرافیہ اور ملوک و مشاہیر کے حالات اور انقلابات و حوادث کے لکھنے پر بھی ایسی ہی توجہ دی اور ہزارہا چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس تاریخ کا بھی ایک مقام ہے جس کے ساتھ انسان کے بہت سے دینی اور دنیاوی فوائد وابستہ ہیں۔

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب مذکور کے ابتدائی چالیس صفحات میں تاریخ کے فوائد و فضائل اور ان کے متعلق علماء و حکماء اسلام کے اقوال جمع فرمائے ہیں۔

اسلام میں فن تاریخ کا درجہ

فنِ تاریخ کے فضائل اور فوائد جن کو سخاویؒ نے بڑی تفصیل سے علماء وحکماء کے اقوال سے ثابت کیا ہے، ان میں سب سے بڑا اور جامع فائدہ عبرت حاصل کرنا۔ دنیا کے عروج وتنزل اور حوادث وانقلابات سے دنیا کی بے ثباتی کا سبق لینا، آخرت کی فکر کو سب چیزوں پر مقدم رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اس کے انعامات واحسانات کا استحضار انبیاء اور صلحاء امت کے احوال سے قلب کی نورانیت اور کفار وفجار کے انجام بد سے عبرت حاصل کر کے کفر ومعصیت سے پرہیز کا اہتمام حکماء سابقین کے تجربوں سے دین ودنیا میں فائدہ اٹھانا وغیرہ ہے۔ مگر فن تاریخ کے اتنے فوائد وفضائل اور اس کی اتنی بڑی اہمیت کے باوجود اس فن کو یہ مقام کسی نے نہیں دیا کہ شریعت اسلام کے عقائد واحکام اس فن سے حاصل کیے جائیں۔ حلال وحرام کے مباحث میں تاریخی روایات کو حجت قرار دیا جائے۔ جن مسائل کے ثبوت کے لئے قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے شرعی دلائل کی ضرورت ہے۔ ان میں تاریخی روایات کو موثر مانا جائے یا تاریخی روایات کی بناء پر قرآن وسنت یا

اجماع سے ثابت شدہ مسائل میں کسی شک وشبہ کو راہ دی جائے۔

وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ اگرچہ زمانہ جاہلیت کی تاریخوں کی طرح بالکل بے سند ناقابل اعتبار کہانیاں نہیں ہیں بلکہ علماء امت نے تاریخ میں بھی مقدور بھر اصول روایت کی رعایت کرکے اسے مستند و معتبر بنانے کی کوشش کی ہے لیکن فن تاریخ کے مطالعے اور اس سے اپنے مقاصد میں کام لینے کے وقت دو باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور جس نے ان دو باتوں کو نظر انداز کیا وہ فن تاریخ کو غلط استعمال کرکے بہت سے گمراہ کن مغالطوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

روایات حدیث اور روایات تاریخ میں زمین آسمان کا فرق عظیم

پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یعنی آپ کے اقوال واعمال کو جس صحابی نے سنا یا دیکھا ہے اس کو بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی ایک امانت قرار دیا ہے جس کا امت کو پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

بلّغوا عنی ولو آیۃ

یعنی میری احادیث امت کو پہنچادو اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو۔

یہاں آیت سے آیت قرآن بھی مراد ہو سکتی ہے مگر نسق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کی احادیث کی تبلیغ ہے اور ولو آیۃ سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ کوئی مختصر جملہ ہی ہو۔ پھر حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

فلیبلغ الشاھد الغائب

یعنی حاضرین میری یہ باتیں غائبین تک پہنچا دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے بعد کسی صحابی کی کیا مجال تھی کہ آپ کے کلمات طیبات یا اپنی آنکھ سے دیکھے ہوئے اعمال و افعال کی پوری پوری حفاظت نہ کرتا اور امت کو پہنچانے کا اہتمام نہ کرتا۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو جو والہانہ محبت تھی اس کو صرف مسلمان نہیں کفار بھی جانتے اور حیرت کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ آپؐ کی وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے اپنے چہروں اور سینوں پر ملتے تھے۔ ان کے لئے اگر حدیث کی حفاظت اور تبلیغ کے احکام مذکورہ کبھی نہ آئے ہوتے تب بھی ان سے یہ کیسے تصور کیا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے علیحدہ ہونے والے بالوں کی آپؐ کی پرانے ملبوسات کی جان سے زیادہ حفاظت کریں اور جو آپ کے وضو کے مستعمل پانی کو ضائع نہ ہونے دیں وہ تعلیمات رسولؐ اور آپ کی احادیث کی حفاظت کا اہتمام نہ کرتے ؟

خلاصہ یہ ہے کہ اول تو خود صحابہ کرام کی والہانہ محبت اس کی داعی تھی کہ آپ کے ایک ایک کلمہ ایک ایک حدیث کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کریں، اس پر مزید آپ نے احکام مذکورہ جاری فرما دیئے۔ اس لئے ایک لاکھ سے زائد تعداد کی یہ فرشتہ صفت مقدس جماعت صرف ایک ذات رسول کے اقوال و افعال کی حفاظت اور اس کی تبلیغ کے لئے سرگرم عمل ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ یہ بات نہ کسی دوسرے بڑے سے بڑے بادشاہ کو نصیب ہو سکتی ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شخصیت کو کہ اس کی ہر بات کو غور سے سن کر ہمیشہ یاد رکھنے کی اور پھر لوگوں تک پہنچانے کی کسی کو فکر ہو۔ بادشاہوں کے واقعات ملکوں اور خطوں کے حالات، زمانے کے انقلابات دلچسپی کے ساتھ ضرور دیکھے سنے جاتے ہیں مگر کسی کو کیا پڑی ہے کہ ان کو پورا پورا یاد رکھنے کا بھی اہتمام کرے اور پہنچانے کا بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ احکام شرعیہ میں عملی قرآن کا درجہ دینا اور حجت شرعیہ بنانا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ اس لئے اس کا سب سے پہلا ذریعہ صحابہ کرام کی اس ناقابل قیاس محبت و اطاعت کو بنا دیا۔ جو ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی دوسری شخصیت کو حاصل نہیں اس لئے تاریخی واقعات و روایات کو کسی حال وہ درجہ حاصل نہیں ہو سکتا جو روایا حدیث کو حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مامور تھے کہ قرآن اور تعلیمات رسالت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک اور آنے والی نسلوں تک پہنچائیں۔ اس کا ایک قدرتی انتظام تو صحابہ کرام کی والہانہ محبت کے ذریعہ ہو گیا۔ دوسرا قانونی انتظام نہایت حکیمانہ اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ایک طرف تو ہر صحابی پر فرض کر دیا کہ جو کچھ دین کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں یا عمل کرتے دیکھیں وہ امت کو پہنچائیں دوسری طرف اس خطرہ کا بھی سدباب کیا جو کسی قانون کے عام اور شائع کرنے میں

حادثہ پیش آتا ہے کہ نقل در نقل میں بات کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے اور اصل حقیقت غائب ہو جاتی ہے۔ اس کا انتظام آپ نے اس ارشاد سے فرمایا:۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوّء	یعنی جو شخص جان بوجھکر میری
مقعدہ من النار	طرف کوئی غلط بات منسوب کرے
	تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے

اس وعید شدید نے صحابہ کرام اور مابعد کے علماء حدیث کو نقل روایت میں ایسا محتاط بنا دیا کہ جب تک نہایت کڑی تنقید و تحقیق کے ساتھ کسی حدیث کا ثبوت نہ ملے اس کو آپ کی طرف منسوب کرنے سے گریز کیا۔ بعد میں آنے والے وہ حضرات محدثین جنہوں نے حدیث کی ابواب و فصول کی صورت میں تدوین و تصنیف کا کام کیا ان سب حضرات نے اپنی لکھی ہوئی اور یاد کی ہوئی لاکھوں حدیثوں میں سے ایسی کڑی تنقید و تحقیق کے ساتھ صرف چند ہزار حدیثوں کو اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی، تدریب الراوی ص۱۲ میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح، حفظ یاد ہیں انہیں سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں کل غیر مکرر احادیث چار ہزار ہیں۔

امام مسلمؒ نے فرمایا کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کرکے اپنی کتاب صحیح لکھی ہے اس میں بھی صرف چار ہزار احادیث غیر مکرر ہیں۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے سنن مرتب کی ہے، جس میں چار ہزار احادیث ہیں،

امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں نے مسند احمد کی احادیث کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے انتخاب کیا ہے،

اس طرح قدرتی اسباب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ انتظام کے سایہ میں، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات حدیث، ایک خاص شان احتیاط کے ساتھ جمع ہو کر کتاب اللہ کے بعد دوسرے درجہ کی حجت شرعی بن گئی؟

لیکن دنیا کی عام تاریخ کو نہ یہ مقام حاصل ہو سکتا تھا، نہ ہے۔

کیوں کہ اول تو لوگوں کو عام وقائع اور حوادث کو یاد رکھنے پھر ان کو لوگوں تک پہنچانے کا اتنا اہتمام کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی،

دوسرے کتب تاریخ کی تصنیف کرنے والے اگر تاریخی روایات کو اس معیار پر جانچتے جس پر روایات حدیث کو جانچا تولا ہے اور اتنی ہی کڑی تنقید وتحقیق کے ساتھ کوئی تاریخی روایت درج کتاب کرتے تو ذخیرہ حدیث میں اگر چار لاکھ تین چار ہزار کا انتخاب ہوا تھا تو تاریخی روایات میں وہ چار سو بھی نہ رہتی۔ اس طرح ننانوے فیصد تاریخی روایات نسیا منسیا ہو جاتی اور بہت سے دینی دنیوی فوائد جو ان روایات سے متعلق تھے وہ مفقود ہو جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث جن کی کتابیں حدیث میں اصول معتمد علیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں وہ جن راویوں کو ضعیف قرار دے کر ان کی روایت چھوڑ دیتے ہیں۔ جب وہ تاریخ کے میدان میں آتے ہیں تو ان ضعیف راویوں کی روایات بھی شامل کتاب کر لیتے ہیں۔ واقدی اور سیف بن عمر وغیرہ کو ائمہ حدیث نے حدیث کے معاملے میں ضعیف بلکہ اس سے بھی زیادہ مجروح کہا ہے مگر تاریخی معاملات مغازی وسیر میں وہی ائمہ حدیث ان کی روایات نقل کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔

حدیث اور تاریخ کے اس فرق کو ان حضرات نے بھی اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے جنہوں نے تاریخی روایات کے بھروسہ صحابہ کرامؓ کا مقام متعین کرنے اور ان کی شخصیتوں پر الزامات لگانے کا غلط راستہ اختیار کیا ہے اس لئے اس فرق پر مزید بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام دنیا کی تاریخ اور اسمیں مدوّن کی ہوئی کتابیں فن حدیث فقہ یا عقائد کی طرح شریعت اسلام کے عقائد و احکام سے بحث کرنے والا کوئی فن نہیں ہے جس کے لئے روایات کی تنقیح و تنقید کی سخت ضرورت ہو اور کھرے کھوٹے کو ممتاز کئے بغیر مقصد حاصل نہ ہو۔ اس لئے فن تاریخ میں ہر طرح کی قوی و ضعیف اور صحیح و سقیم روایتیں بغیر نقد و تبصرہ کے جمع کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔ علوم قرآن و سنت کے ماہر وہی علماء جو تنقید و تحقیق اور جرح و تعدیل کے امام مانے گئے ہیں۔ جب فن تاریخ پر کوئی تصنیف لکھتے ہیں تو اگرچہ زمانہ جاہلیت کی تاریخوں کی طرح بے سروپا افواہوں

اور افسانوں کو اپنی کتاب میں جگہ نہیں دیتے بلکہ اصول روایت کا لحاظ رکھتے ہوئے سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں اسی لئے اسلامی تاریخیں تاریخی حیثیت میں عام دنیا کی تاریخوں سے صدق و اعتماد کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں لیکن تاریخ میں وہ راویوں کے حالات کی چھان بین اور اس جرح و تعدیل سے کام نہیں لیتے جو فن حدیث وغیرہ میں استعمال کی جاتی ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ اگر فن تاریخ میں اس طرح کی چھان بین کی جاتی تو ننانوے فیصد تاریخ دنیا سے گم ہو جاتی اور جو فوائد عبرت و حکمت اور تجارب عالم کے اس فن سے وابستہ ہیں ان سے دنیا محروم ہو جاتی۔ دوسرے جبکہ عقائد و احکام شرعیہ کے مقاصد اس سے وابستہ نہیں، تو اس احتیاط و تنقید کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لئے حدیث اور جرح و تعدیل کے ائمہ نے بھی فنِ تاریخ میں توسع سے کام لیا۔ ضعیف و قوی اور ثقہ غیر ثقہ ہر طرح کے لوگوں کی روایتیں اس میں جمع کر دیں۔ خود ان حضرات کی تصریحات اس پر شاہد ہیں۔

حدیث و اصول حدیث کے مشہور امام ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں فرمایا:

وغالب علی الاخباریین الاکثار والتخلیط فیما یروونه (علوم الحدیث ص۲۶۳)	مورخین میں یہ بات غالب ہے کہ روایات کثیرہ جمع کرتے ہیں جن میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات خلط ملط ہوتی ہیں۔

تدریب الراوی ص۲۹۵ میں سیوطی نے بھی بعینہٖ یہی بات لکھی ہے اسی

طرح فتح المغیث وغیرہ میں بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔

ابن کثیر جو حدیث و تفسیر کے مشہور امام اور بڑے ناقد معروف ہیں روایات میں تنقید و تحقیق ان کا خاص امتیازی وصف ہے۔ مگر جب یہی بزرگ تاریخ پر کتاب البدایۃ والنہایۃ لکھتے ہیں تو تنقید کا وہ درجہ باقی نہیں رہتا۔

خود البدایۃ والنہایۃ صہ ۲۰۲ جلد ۸۔ بعض تاریخی روایات درج کرتے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی صحت میرے نزدیک مشتبہ ہے مگر مجھ سے پہلے ابن جریر وغیرہ یہ روایت نقل کرتے آئے ہیں اس لئے میں نے بھی نقل کر دیا اگر وہ ذکر نہ کرتے تو میں ان کو اپنی کتاب میں نہ لاتا۔

ظاہر ہے کہ کسی حدیث کی تحقیق میں وہ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس کی صحت مشتبہ ہونے کے باوجود چونکہ پہلے کسی بزرگ نے لکھا ہے اس لئے لکھتا ہوں۔ یہ تاریخ ہی کا اپنا مقام تھا کہ اس میں ابن کثیر نے اس توسع کو جائز قرار دیا۔

اور یہ اس کے باوجود ہے کہ ابن کثیر نے البدایۃ میں بہت سے مقامات پر طبری کی روایت پر تنقید کر کے رد بھی کر دیا ہے۔ یہ سب باتیں اس کی شہادت ہیں کہ فن تاریخ میں ان حضرات ناقدین نے بھی یہی مناسب سمجھا ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق جتنی روایات ملتی ہیں، سب کو جمع کر دیا جائے ان پر جرح و تعدیل اور نقد و تبصرہ اہل علم کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور یہ کسی خاص شخص کی اتفاقی غلطی نہیں بلکہ تمام ائمہ فن کی سوچی سمجھی روش تاریخ میں یہی ہے کہ فن تاریخ میں ضعیف و سقیم روایات کو بلا تنقید

ذکر کر دینا کوئی عیب نہیں۔

کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان روایات سے دین کے عقائد یا احکام شرعیہ تو ثابت کرنا نہیں، عبرت و نصیحت اور تجارب اقوام وغیرہ کے فوائد حاصل کرنا ہیں، وہ یوں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان تاریخی روایات سے کسی ایسے مسئلہ پر استدلال کرنا چاہتا ہے جس کا تعلق اسلامی عقائد یا احکام علیہ سے ہے تو اس کی اپنی ذمہ داری ہے کہ روایات کی تنقید اور راویوں پر جرح و تعدیل کا وہی ضابطہ اختیار کرے جو حدیث کی روایات میں لازم و ضروری ہے۔ اس کے بغیر اس کا استدلال جائز نہیں اور یہ کہنا کہ کسی بڑے ثقہ اور امام حدیث کی کتاب تاریخ میں یہ، روایت درج ہے اس کو اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا۔

اس بات کو اس مثال سے سمجھیے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت میں بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں جو فن طب کے بھی ماہر ہیں۔ جیسے امام شافعیؒ وغیرہ اور بعض حضرات کی تصانیف بھی فن طب میں موجود ہیں یہ حضرات اگر کسی طب کی کتاب میں اشیاء کے خواص و آثار بیان کرتے ہوئے یہ لکھیں کہ شراب میں فلاں فلاں خواص و آثار ہوتے ہیں، خنزیر کے گوشت پوست اور بال کے فلاں فلاں خواص و آثار ہیں۔ پھر کوئی آدمی طب کی کتاب میں، ان کے کلام کو دیکھ کر ان چیزوں کو جائز قرار دینے لگے اور استدلال میں یہ کہے کہ فلاں امام یا عالم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور وہاں اس کے حرام ہونے کا ذکر بھی نہیں کیا، تو کیا اس کا یہ استدلال

درست ہوگا؟ اور یہ کوئی فرضی مثال ہی نہیں، شیخ جلال الدین سیوطی امت کے کیسے بڑے عالم ہیں۔ علوم شرعیہ میں سے شاید کوئی فن نہیں چھوٹا جس پر ان کی تصانیف ہوں، ان کی بزرگی اور تقدس میں کسی کو کلام نہیں مگر موضوع طب پر ان کی تصنیف کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ دیکھ لیجئے اس میں متعدد امراض کے علاج اور منافع کی تحصیل کے لئے جو نسخے لکھے ہیں، ان میں بہت سی حرام چیزیں بھی شامل ہیں، اب اگر کوئی شخص اس کتاب کے حوالہ سے ان کو جائز ثابت کرنے لگے اور سیوطیؒ کی طرف اس کو منسوب کرے تو کیا کوئی صحیح الحواس آدمی اس کو درست باور کرسکتا ہے۔

اسی طرح اور بہت سے علماء فقہاء جن کی تصانیف فن طب وغیرہ میں ہیں سب میں حرام چیزوں کے خواص و آثار اور طریق استعمال ذکر کیا جاتا ہے خون اور انسانی بول و براز اور ... شراب اور خنزیر سبھی چیزوں کے خواص لکھے جاتے ہیں اور اس جگہ وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان کا حرام یا نجس ہونا بھی اس جگہ لکھ دیں۔ کیونکہ یہ موضوع طب سے خارج ہے اور دوسری کتب میں بیان ہو چکا ہے۔ ان کی کتب طب سے کوئی آدمی حرام چیزوں کو ان کا نام لے کر حلال کرنے لگے تو اس میں قصور ان کا یا علامہ سیوطی کا نہیں، کہ انہوں نے فن طب کی کتاب میں حرام اشیاء کے خواص کیوں لکھے؟ کیونکہ اس فن کا مقتضا اور موضوع ہی یہ ہے کہ سب چیزوں کے خواص و آثار لکھے جاویں، حلال حرام ہونے کی بحث کا یہ موقع نہیں، اور جہاں اس کا موقع ہے وہ ان کے حرام ہونے کو لکھ چکے ہیں،

قصور اس عقلمند کا ہے جو اس حقیقت کو نظر انداز کر کے طبی کتاب سے حلال وحرام کے مسائل نکالنے لگے۔ اس طویل تمہید کے بعد میں اپنے اصل موضوع کلام کی طرف آتا ہوں کہ جن حضرات نے مشاجرات صحابہ (یعنی صحابہ کرام کے باہمی اختلافات) کے معاملہ کو تاریخی روایات سے چکانے اور انہیں کی بنیاد پر ان کے فیصلے صادر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے ان کو مغالطہ یہیں سے لگا ہے کہ یہ تاریخی روایات جن کتابوں سے لی گئی ہیں ان کے مصنفین بڑے ثقہ علماء اور حدیث وتفسیر کے امام مانے گئے ہیں۔ اس پر غور نہیں کیا کہ وہ اس کتاب میں عقائد اور اعمال شرعیہ کی بحث لے کر نہیں بیٹھے، بلکہ فن تاریخ کی کتاب لکھ رہے ہیں جس میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات بلا تنقید جمع کر دینے ہی پر اکتفا کرنے کا معمول معلوم ومعروف ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ان سے عقیدہ یا عمل کا مسئلہ ثابت کرنا چاہے تو روایت اور راوی کی محدثانہ تنقید وتحقیق اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ وہ ائمہ فن اس سے بری نہیں، علماء محققین نے اس کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ عقائد واعمال شرعیہ کے معاملے میں تاریخی روایات جو عموماً صحیح وسقیم معتبر وغیر معتبر کا مخلوط مجموعہ ہوتی ہیں ان کو نہ کسی مسئلہ کی سند میں پیش کیا جا سکتا ہے نہ بلا تحقیق محدثانہ ان سے استدلال کر کے کوئی مسئلہ شرعیہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ کا مسئلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ ہے یا احکام شرعیہ کا ایک اہم باب ہے۔

صحابہ اور مشاجرات صحابہؓ کا مسئلہ

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا اہم جز ہے جیسا کہ مقدمہ اصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے اور مقدمہ استیعاب میں حافظ ابن عبد البرؒ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرام رضؓ کے مقام اور باہمی تفاضل و درجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلہ کو علماء اُمت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا اور تمام کتبِ عقائد اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے۔

ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور اسی مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہے۔ اس کے فیصلے کیلئے بھی ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت جیسے شرعی حجت درکار ہیں، اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر پرکھ کر لینا واجب ہے۔ اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا، اصولی اور بنیادی غلطی ہے، وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علماء

حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہوں ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کر دینے کا عام دستور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ حدیث امام ابن عبدالبرؒ نے جو معرفت صحابہ کے موضوع پر اپنی بہترین کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" لکھی تو علماء امت نے اس کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا مگر اس میں مشاجرات صحابہ کے متعلق کچھ غیر مستند تاریخی روایات بھی شامل کر دیں تو عام علماء امت اور ائمہ حدیث نے اس عمل کو اس کتاب کے لئے ایک بدنما داغ قرار دیا۔

چھٹی صدی ہجری کے امام حدیث ابن صلاح جن کی کتاب علوم الحدیث اصول حدیث کی روح مانی گئی ہے اور بعد کے آنے والے محدثین نے اسی سے اقتباسات لئے ہیں یہ اپنی کتاب کے انتالیسویں باب میں (جن کو بعنوان انواع لکھا گیا ہے) معرفت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

هذا علم كبير قد ألف الناس فيه كتبا كثيرة ومن احلها واكثرها فوائد — كتاب "الاستيعاب" لابن عبد البر لولا ما شانه به من ايراده كثيرا مما شجر بين الصحابة وحكاياته

معرفت صحابہ ایک بڑا علم ہے جس میں لوگوں نے بہت بہت تصانیف لکھی ہیں اور ان میں سب سے افضل و اعلیٰ اور سب سے زیادہ مفید کتاب الاستیعاب ہے۔ ابن عبدالبرؒ کی اگر اس کو یہ بات عیب دار نہ کر دیتی کہ اس میں

عن الاخباریین لا المحدثین وغالب علی الاخباریین الاکثار والتخلیط فیما یروونہ۔ (علوم الحدیث ۲۶۲) طبع المدینہ المنورہ

مشاجرات صحابہ کے متعلق تاریخی روایات کو درج کر دیا ہے۔ محدثین کی محدثانہ روایت پر مدار نہیں رکھا اور یہ ظاہر ہے کہ مورخین پر غلبہ اس کا ہے کہ بہت روایات جمع کر دی جائیں۔ جن کی روایت میں معتبر غیر معتبر روایات خلط ملط ہوتی ہیں۔

اسی طرح علامہ سیوطی رح نے تدریب الراوی میں علم معرفت صحابہ پر کلام کرتے ہوئے ابن عبد البر کی استیعاب کا ذکر تقریباً انہیں الفاظ میں کیا ہے جو ابن صلاح کے اصول حدیث سے اوپر نقل کیے گئے ہیں جس میں مشاجرات صحابہ کی بحث میں تاریخی روایات کے داخل کر دینے پر سخت اعتراض کیا ہے (تدریب الراوی ص۲۹۵)

دوسرے محدثین نے فتح المغیث وغیرہ میں ابن عبد البر کے اس طرز عمل پر رد کیا ہے کہ مشاجرات صحابہ کا مسئلہ جو عقیدہ کا مسئلہ ہے اس میں تاریخی روایات کو کیوں داخل کیا۔

وجہ یہ ہے کہ ابن عبد البر کی کتاب الاستیعاب کوئی عام تاریخ کی کتاب نہیں بلکہ "علم معرفت اصحاب" کی کتاب ہے، جو فن حدیث کا جزء ہے، اگر ابن عبد البر نے بھی عام تاریخ پر کوئی کتاب لکھی ہوتی اور اس میں یہ غیر مستند

تاریخی روایات لکھتے تو غالباً کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ جیسا ابن جریر۔ ابن کثیر وغیرہ ائمہ حدیث کی تاریخی کتابوں پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا۔

صحابہ کرامؓ کی چند خصوصیات

سابقہ تحریر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد و رجال کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ مقام و امتیاز ان کو قرآن و سنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی لئے اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس کو تاریخ کی صحیح و سقیم روایات کے انبار میں گم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی روایت ذخیرہ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کو مجروح کرتی ہو تو وہ بھی قرآن و سنت کی نصوص صریحہ اور اجماع امت کے مقابلہ میں متروک ہوگی۔ تاریخی روایات کا تو کہنا کیا ہے۔

نصوصِ قرآن کریم

کنتم خیر امة اخرجت للناس۔	تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے (نفع اور اصلاح) کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(۲) وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس۔	اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔

ان دونوں آیتوں کے اصل مخاطب اور پہلے مصداق صحابہ کرام ہیں باقی امت بھی اپنے اپنے عمل کے مطابق اس میں داخل ہو سکتی ہے لیکن صحابہ کرام کا ان دونوں آیتوں کا صحیح مصداق ہونا باتفاق مفسرین و محدثین ثابت ہے۔ ان میں صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ اور عدل و ثقہ ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ ذکرہ ابن عبدالبر فی مقدمۃ الاستیعاب اور علامہ سفارینی نے شرح عقیدۃ الدرۃ المضیئۃ میں اس کو جمہور امت کا مسلک قرار دیا ہے کہ انبیاء کے بعد صحابہ کرام افضل الخلائق ہیں۔

ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز ان دونوں میں کون افضل ہے تو انہوں نے فرمایا:

لانعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احدًا۔ (الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ لابن تیمیہ ص۴۰۵)	یعنی ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے افضل ہونا کجا۔

(۲) محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود الآیۃ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

ـــ عامہ مفسرین امام قرطبی وغیرہ نے فرمایا کہ والذین معہ عام ہے اس میں تمام صحابہ کرام کی پوری جماعت داخل ہے اور اس میں تمام صحابہ کرام کی تعدیل ان کا تزکیہ اور ان پر مدح، وثنا خود مالک کائنات کی طرف سے آئی ہے

ابوعروہ زبیری کہتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں تھے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو بعض صحابہ کرام کو برا کہتا تھا امام مالکؒ نے یہ آیت لیغیظ بھم الکفار تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کسی کے متعلق غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔ یعنی اس کا ایمان خطرہ میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے غیظ کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔

الذین آمنوا معہ میں تمام صحابہ کرام کی جماعت بلا کسی استثناء کے داخل ہے۔

(۴) یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ۔

جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی صلعم کو اور جو مسلمان (دین کی رو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا۔

(۵) والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھر الآیۃ۔

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اس میں صحابہ کرام کے دو طبقے بیان فرمائے ہیں ایک سابقین اولین کا دوسرے بعد میں ایمان لانے والوں کا اور دونوں طبقوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں

ان کے جنت کا مقام ودوام مقرر ہے، جس میں تمام صحابہ کرام داخل ہیں۔ مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کون لوگ ہیں اس کی تفسیر میں ابن کثیر نے تفسیر میں اور ابن عبدالبر نے مقدمہ استیعاب میں سندوں کے ساتھ دونوں قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ سابقین اولین وہ حضرات ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ دونوں قبیلوں یعنی بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہو۔ یہ قول ابوموسیٰ اشعری سعید بن مسیب، ابن سیرین۔ حسن بصری کا ہے (ابن کثیر) اس کا حاصل یہ ہے کہ تحویل قبلہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی ہے اس سے پہلے پہلے جو لوگ مشرف باسلام ہو کر شرف صحابیت حاصل کر چکے ہیں وہ سابقین اولین ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جو لوگ بیعت رضوان یعنی واقعہ حدیبیہ واقع ۶ھ میں شریک ہوئے ہیں وہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ یہ قول امام شعبی سے روایت کیا گیا ہے۔ ابن کثیر۔ استیعاب)

قرآن کریم نے واقعہ حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابہ کے متعلق عام اعلان فرمایا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اسی لئے اس بیعت کا نام بیعت رضوان رکھا گیا ہے اور حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل النار احد	نہیں داخل ہوگا جہنم میں کوئی

ممن بايع تحت الشجرۃ، (ابن عبدالبر بسندہ فی الاستیعاب)	شخص جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔

بہرحال سابقین اولین خواہ قبلتین کی طرف نماز میں شریک ہونے والے ہوں یا بیعت رضوان کے شرکاء ان کے بعد بھی صحابیت کا شرف حاصل کرنے والے تمام صحابہ کرام کو حق تعالیٰ نے والذین اتبعوھم باحسان میں داخل کر کے شامل فرمایا اور سب کے لئے اپنی رضاء کامل اور جنت کی ابدی نعمت کا وعدہ اور اعلان فرما دیا۔

ابن کثیر اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یا ویل من ابغضھم او سبّھم او سبّ بعضھم (الی قولہ) فاین ھولآء من الایمان بالقرآن اذ یسبّون من رضی اللہ عنھم۔ (ابن کثیر)	عذاب الیم ہے ان لوگوں کے لئے جو ان حضرات سے یا ان میں بعض سے بغض رکھے یا ان کو برا کہے ایسے لوگوں کو ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ جو ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔

اور ابن عبدالبر مقدمہ استیعاب میں یہی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ومن رضی اللہ عنہ لم	یعنی اللہ جس سے راضی ہو گیا

یسخط علیہ ابداً ان شاء اللہ تعالیٰ۔	پھر اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو سب اگلی پچھلی چیزوں کا علم ہے وہ راضی اسی شخص سے ہو سکتے ہیں جو آئندہ زمانے میں بھی رضاء کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے اس لئے کسی کے واسطے رضاء الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی اسی حالتِ صالحہ پر ہوگا اس سے رضاء الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔ یہی مضمون حافظ ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں اور سفارینیؒ نے شرح درہ مضیّہ میں بھی لکھا ہے، اس سے ان ملحدین کے شبہ کا ازالہ خود بخود ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے یہ اعلانات اس وقت کے ہیں جبکہ ان کے حالات درست تھے، بعد میں معاذ اللہ ان کے حالات خراب ہو گئے اس لئے وہ اس انعام واکرام کے مستحق نہیں رہے نعوذ باللہ منہ، کیونکہ اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شروع میں بوجہ انجام سے بے خبری کے راضی ہو گئے تھے، بعد میں یہ حکم بدل گیا۔ نعوذ باللہ منہ،

یہاں پہنچکر شاید کسی کو حدیث اِنّی فرطکم علی الحوض سے شبہ ہو، جس میں یہ ہے کہ:

لیردن علی اقوام اعرفہم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینہم، وفی روایۃ فأقول اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک ____________ (بخاری باب الحوض)

ظاہر الفاظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حوض پر پہنچیں گے تو ان کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا، گو حدیث کی شرح میں شراحِ حدیث نے طویل کلام کیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں یہ روایت ہے ان کا مصداق متعین کرنے میں کئی اقوال منقول ہیں مگر ہمارے نزدیک تمام روایات کو دیکھ کر اور حضرات صحابہؓ کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر امام نووی کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، متعدد اقوال کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقال النووی هم المنافقون والمرتدون فيجوز ان يحشروا بالغرة والتحجيل لكونهم من جملة الامة فيناديهم من اجل السيما التي عليهم فيقال انهم بدلوا بعدك اى لم يموتوا على ظاهر ما فارقتهم عليه قال عياض وغيره، وعلى هذا فيذهب عنهم الغرة والتحجيل ويطفأ نورهم۔ فتح الباری ص ۳۲۴ ج"	امام نووی رہ نے فرمایا: کہ اس حدیث کا مصداق منافقین ہیں اور وہ لوگ جو دل سے زمانۂ نبوت میں بھی مسلمان نہ تھے بلکہ ظاہراً اسلام کے نام کو اپنائے ہوئے تھے) وفات نبوی ؐ کے بعد ظاہری اسلام سے پھر گئے، چونکہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ دکھاوے کا وضو کرتے تھے اور نماز میں آتے تھے اس لئے ان کے ہاتھ پاؤں بھی وضو کے اثر سے سفید ہوں گے، ان کی اس

علامت کی وجہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں گے، لیکن جواب دیدیا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد حالت بدل دی تھی یعنی جس حال پر آپ نے ان کو چھوڑا تھا۔ اس حالت پر (بھی) باقی نہ رہے اور کھلے کافر ہو گئے، جو ان کے ظاہری دعوائے اسلام کے اعتبار سے ارتداد تھا۔

ہمارے نزدیک یہ قول اس لئے صحیح ہے کہ آیت قرآنیہ

یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین آمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً، (سورۃ الحدید)

جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گی کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں۔ ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو۔

کے موافق ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ابتداءً روز قیامت میں منافقین مؤمنین

کے ساتھ لگ جائیں گے، بعد میں علیحدگی ہوجائے گی لفظ ارتدوا جو حدیث بالا کی بعض روایات میں آیا ہے اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہ لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کچھ لوگ مرتد ہوگئے تھے (العیاذ باللہ) لیکن ہمارے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اگر ارتداد سے ارتداد عن الاسلام ہی مراد ہو تب بھی اس سے وہ اعراب مراد ہیں جنہوں نے اسلام کی رو میں آکر زبان سے یوں کہدیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور صحیح معنی میں اُن کے دل میں اسلام جاگزیں نہ ہوا تھا جس کو قرآن میں اس طرح ذکر فرمایا:

قالت الأعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم۔ (سورۃ الحجرات)	یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہوگئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ نے کیسی اچھی بات لکھی ہے۔

لم یرتد من الصحابۃ احد وانما ارتد قوم من جفاۃ الاعراب ممن لانصرۃ لہ فی الدین وذلک لایوجب	حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا بعض گنوار اعرابی جن کا دین کی نصرت میں کوئی دخل نہیں رہا (صرف زبان سے کلمہ

فتلاحقا فی الصحابۃ المشہورین ویدل قولہ اُصیحابی بالتصغیر علی قلۃ عددھم۔
(فتح الباری ص۳۲۴ ج ۱۱)

پڑھ لیا) وہ حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے، اس سے مشہور صحابہ کرام کے بارہ میں کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا اور خود حدیث کے الفاظ میں ان کو اصحابی کے بجائے اصیحابی، بصیغہ تصغیر لانا بھی اس طرف مشیر ہے۔

(۶) قل ھذا سبیلی ادعو إلی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف سے دعوت دیتا ہوں بصیرت کے ساتھ میں بھی اور جن لوگوں نے میرا اتباع کیا وہ بھی۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ومتبع تھے، سب اس میں داخل ہیں۔

(۷) قل الحمد للّٰہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ (مع قولہ تعالیٰ) ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا

آپ کہہ دیجئے کہ حمد سب اللہ کیلئے ہے اور سلام ہے ان بندوں پر جن کو اللہ نے منتخب فرمایا ہے (اس کے ساتھ دوسری آیت میں

فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرٰت باذن اللہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر۔ (سورہ فاطر)

ہے) پھر وارث بنا دیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کا ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا، پھر بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں، اور بعض ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں) یہ بڑا فضل ہے۔

اس آیت میں صحابۂ کرام رض کو "منتخب بندے" قرار دیا گیا ہے آگے ان ہی کی ایک قسم یہ بھی قرار دی ہے کہ "ان میں بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحابی سے کسی وقت کوئی گناہ ہوا بھی ہے تو وہ معاف کر دیا گیا، ورنہ پھر ان کو "منتخب بندوں" کے ذیل میں ذکر نہ فرمایا جاتا۔

ظاہر ہے کہ کتاب یعنی قرآن کے پہلے وارث جن کو یہ کتاب ملی ہے صحابۂ کرام رض ہیں اور نص قرآنی کی رو سے وہ اللہ کے منتخب بندے ہیں اور پہلی آیت میں ان منتخب بندوں پر اللہ کی طرف سے سلام آیا ہے، اس طرح تمام صحابۂ کرام اس سلام خداوندی میں شامل ہیں (کذا ذکرہ

السفارینی فی شرح الدرۃ المفیدۃ۔

(۸) سورہ حشر میں حق تعالیٰ نے عہد رسالت کے تمام موجود اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کا تین طبقے کرکے ذکر کیا ہے۔ پہلا مہاجرین کا، جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا:

اولئک ھم الصادقون ،	یعنی یہی لوگ سچے ہیں۔

دوسرا انصار کا، جن کی صفات وفضائل ذکر کرنے کے بعد قرآن کریم نے فرمایا:

اولئک ھم المفلحون	یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والا ہے، ان کے بارے میں فرمایا:

والذین جاء و امن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا	اور وہ لوگ جو بعد میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں سے کوئی بغض نہ کرنا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مہاجرین وانصار صحابہ کے لئے استغفار کرنے کا حکم سب مسلمانوں

کو دیا ہے اور یہ حکم اس حال میں دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے باہم جنگ و مقاتلہ بھی ہوگا۔ علماء نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد اسلام میں اس شخص کا کوئی مقام نہیں جو صحابہ کرام سے محبت نہ رکھے اور ان کے لئے دعا نہ کرے۔

(۹) ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم (سورہ حجرات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب کر دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین بنا دیا اور کفر، فسق اور نافرمانی کو تمہارے لئے مکروہ بنا دیا، ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور نعمت سے ہدایت یافتہ ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی بلا استثناء تمام صحابہ کرام رض کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر و فسق اور گناہوں کی نفرت ڈال دی ہے۔

اس جگہ فضائل صحابہ کی سب آیات کا استیعاب پیش نظر نہیں۔ ان کے مقام اور درجہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک دو آیتیں بھی کافی ہیں جن سے ان کا مقبول عند اللہ ہونا اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا اور ابدی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا ثابت ہے۔

یہاں یہ بات پھر سامنے رکھنا چاہیئے کہ یہ ارشادات اس ذات حق کے ہیں جو سب کو پیدا کرنے والا اور پیدائش سے پہلے ہر انسان کے ایک ایک سانس ایک ایک قدم سے اور اچھے برُے عمل سے واقف ہے جو اس شخص سے وقوع میں آئیں گے۔ اس نے صحابہ کرام کے معاملے میں جو اپنی رضا کامل اور جنت کی بشارت دی ہے، ان سب واقعات و معاملات کو جانتے ہوئے دی ہے جو انہیں سے ہر ایک کو عہد رسالت میں یا اس کے بعد پیش آنے والے تھے۔

حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی بندہ سے راضی ہو سکتے ہیں جس کے بارے میں اس کو معلوم ہے کہ وہ آخر عمر تک موجبات رضاء کو پورا کرے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے تو پھر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوتا۔

صحابہ کرامؓ کا خصوصی مقام احادیث نبویہ میں

جن احادیث نبویہ میں ان حضرات کے فضائل و درجات کا ذکر ہے ان کو شمار کرنا اور لکھنا آسان بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے یہاں چند روایات لکھی جاتی ہیں جن میں پوری جماعت صحابہ کے فضائل و خصوصیات کا ذکر ہے خاص خاص افراد یا جماعتوں کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کو چھوڑا جاتا ہے۔

(۱) صحیحین اور تمام کتب اصول میں حضرت عمران بن حصین رضؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم فلا ادری ذکر قرنین او ثلاثة ثم ان بعدهم قوم یشهدون ولا یستشهدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یوفون ویظهر فیهم السمن (للستة الا مالکا جمع الفوائد- ص۱۹۰ ج ۲ طبع مصر)

بہترین قرن میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ متصل لوگوں کا ذکر دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو بے کہے شہادت دینے کو تیار نظر آویں۔ خیانت کریں گے امانت دار نہ ہوں گے، عہد شکنی کریں گے معاہدے پورے نہ کریں گے اور ان میں (بوجہ بے فکری کے) مٹاپہ ظاہر ہو جائے گا۔

اس حدیث میں متصل آنے والے لوگوں کا اگر دو مرتبہ ذکر فرمایا ہے تو دوسرا قرن صحابہ کا اور تیسرا تابعین کا ہے اور اگر تین مرتبہ ذکر فرمایا ہے تو چوتھا قرن تبع تابعین کا بھی اس میں شامل ہوگا۔

(۲) صحیحین اور ابوداؤد و ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذھبا مابلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔

(جمع الفوائد)

میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابی کے ایک مُد بلکہ آدھے مد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

مُد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو وزن کے لحاظ سے آج کل کے مروج تقریباً ایک سیر کے برابر ہوتا ہے اس حدیث نے بتلایا کہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وصحبت وہ نعمت عظیمہ ہے جس کی برکت سے صحابی کا ایک عمل دوسروں کے مقابلے میں وہ نسبت رکھتا ہے کہ ان کا ایک سیر بلکہ آدھا سیر دوسروں کے پہاڑ برابر وزن سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، ان کے اعمال کو دوسروں کے اعمال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا،

اس حدیث کے شروع میں جو یہ ارشاد ہے لاتسبوا اصحابی یعنی میرے صحابہؓ پر سبّ نہ کرو، لفظِ سبّ کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں کیونکہ گالی کا لفظ اردو زبان میں فحش کلام کے لئے آتا ہے، حالانکہ لفظ سبّ عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، ہر اس کلام کو عربی میں سبّ کہا جاتا ہے جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔ گالی کے لئے ٹھیٹ لفظ عربی میں شتم آتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں فرمایا کہ اس حدیث میں

لفظ سب ایسی عام معنی کے لئے آیا ہے جو لعن طعن کرنے کے مفہوم سے عام ہے۔ اسی لئے احقر نے اس کا ترجمہ برا کہنے سے کیا ہے۔

(۳) ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضًا لبعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن آذانی فقد اٰذی اللہ ومن اٰذی اللہ فیوشک ان یاخذہ (جمع الفوائد ص ۱۹۱ ج ۲)	اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع) نشانہ نہ بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ جس نے صحابہ کرام سے محبت رکھی وہ میری محبت کے ساتھ محبت رکھی اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ صحابی سے محبت رکھنا میری محبت کی علامت ہے۔ ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جس کو میری محبت حاصل ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی صحابی سے محبت رکھتا ہے تو میں اس سے محبت رکھتا ہوں اس طرح اس کی محبت صحابی کے ساتھ علامت اس کی سمجھو کہ مجھے اس شخص سے محبت ہے۔ یہی دو معنے اگلے جملے بغض صحابہ کے ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھتا ہے وہ دراصل مجھسے بغض ہوتا ہے یا یہ کہ جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے تو میں اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔

دونوں معنے میں سے جو بھی ہوں یہ حدیث ان حضرات کی تنبیہ کے لئے کافی ہے جو صحابہ کرام کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بناتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کو دیکھنے والا ان سے بدگمان ہو جائے یا کم از کم ان کا اعتماد اس کے دل میں نہ رہے۔ غور کیا جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کے حکم میں ہے۔

(۴) ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رأیتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنۃ اللّٰہ علی شرکم۔	جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہے اس

(جمع الفوائد ص۲۹۱ ج ۲) | پر جو تم دونوں یعنی صحابہ اور تم سے بد تر ہیں۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے مقابلے میں بد تر وہی ہے جو ان کو برا کہنے والا ہے۔ اس حدیث میں صحابی کو برا کہنے والا مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے اور یہ اوپر گذر چکا ہے کہ لفظ سب عربی زبان کے اعتبار سے صرف فحش، گالی ہی کو نہیں کہتے بلکہ ہر ایسا کلام جس سے کسی کی تنقیص و توہین یا دل آزاری ہوتی ہے وہ لفظ سبّ میں داخل ہے۔

(۵) ابو داؤد۔ ترمذی۔ میں حضرت سعید بن زید رض سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ بعض لوگ بعض امراء حکومت کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتے ہیں تو سعید بن زید رض نے فرمایا افسوس میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے سامنے اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا جاتا ہے اور تم اس پر نکیر نہیں کرتے اور اس کو روکتے نہیں (اب سُن لو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے (اور پھر حدیث بیان کرنے سے پہلے فرمایا کہ یہ بھی سمجھ لو کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کروں جو آپ نے نہ فرمائی ہو کہ قیامت کے روز جب میں حضورؐ سے ملوں تو آپ مجھ سے اس کا مواخذہ فرمادیں۔ یہ کہنے کے بعد حدیث بیان کی کہ) ابو بکر جنّت میں ہیں۔ عمر جنّت میں ہیں، عثمان جنّت میں ہیں، علی جنّت میں ہیں، طلحہ جنّت میں ہیں زبیر جنّت میں ہیں۔ سعد بن مالک جنّت میں ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں

ابو عبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔ یہ نو حضرات صحابہ کے نام لیکر دسویں کا نام نہیں لیا جب لوگوں نے پوچھا دسواں کون ہے تو ذکر کیا سعید بن زید (یعنی خود اپنا نام ابتداءً بوجہ تواضع کے ذکر نہیں کیا تھا لوگوں کے اصرار پر ظاہر کیا) اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

واللہ لمشھد رجل منھم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغبر فیہ وجھہ خیر من عمل احدکم ولو عُمّر عمر نوح۔
(جمع الفوائد ص ۲۹۲ ج ۲ طبع مصر)

خدا کی قسم ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر کی عبادت و عمل سے بہتر ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام عطا ہو جائے۔

(۶) امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

من کان متأسیا فلیتأس باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانھم ابر ھذہ الامۃ قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا واقومھا ھدیا واحسنھا حالاً قوم اختارھم اللہ بصحبۃ

جو شخص اقتدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے کیونکہ یہ حضرات ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک اور علم کے اعتبار سے گہرے

نبیہ واقامۃ دینہ فاعرفوا
لہم فضلہم واتبعوا آثارھم
فانھم کانوا علی الہدی المستقیم
(شرح عقیدہ سفارینی ص۲۰۲ ج ۲)

اور تکلف و بناوٹ سے الگ اور
عادات کے اعتبار سے معتدل اور
حالات کے اعتبار سے بہتر ہیں۔
یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے
اپنی نبی کی صحبت اور دین کی اقامت
کے لئے پسند فرمایا ہے تو تم ان
کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کا
اتباع کرو کیوں کہ یہی لوگ مستقیم
طریق پر ہیں۔

(۷) اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت
کیا ہے۔

ان اللہ نظر فی قلوب
العباد فنظر قلب محمد صلی اللہ
علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ
ثم نظر فی قلوب العباد بعد
قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فوجد قلوب اصحابہ خیر
قلوب العباد۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب
بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ان سب قلوب
میں بہتر پایا ان کو اپنی رسالت
کے لئے مقرر کر دیا۔ پھر قلب محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے
قلوب پر نظر فرمائی تو اصحاب محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو دوسرے

فاختارھم لصحبۃ نبیہ،	سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا
ونصرۃ دینہ۔	ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین
(سفارینی شرح الدرۃ المضیہ صفحہ ۳۸۸ ج۲)	کی نصرت کے لئے پسند کر لیا۔

(۸) مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اختار اصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین و اختار لی من اصحابی اربعۃ یعنی ابا بکر وعمر وعثمان وعلیا فجعلھم اصحابی وقال فی اصحابی کلھم خیر۔

(۹) اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابی فجعل منھم وزراء واختانا واصھارا فمن سبھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفا ولا عدلا (تفسیر قرطبی۔ سورۃ الفتح)

مجمع الزوائد (۱۰-۱۲)

(۱۰) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انہ من یعش منکم بعدی	تم میں جو شخص میرے بعد
اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ	رہے تو بہت اختلافات دیکھے گا
الخلفاء الراشدین عضوا علیھا	تو تم لوگوں پر لازم ہے کہ میری سنت

بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ (رواہ الامام احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وقال ابونعیم حدیث جیّد صحیح۔ ازسفارینی ص۲۸)

اور خلفاء راشدین کی سنّت کو اختیار کرو اس کو دانتوں سے مضبوط تھامو اور نو ایجاد اعمال سے پرہیز کرو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی طرح خلفاء راشدین کی سنت کو بھی واجب الاتباع اور فتنوں سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح دوسری متعدد احادیث اور متعدد صحابہ کرام کے نام لیکر مسلمانوں کو ان کی اقتدار واتباع اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے یہ روایات سب کتب حدیث میں موجود ہیں۔

قرآن وسنت میں مقام صحابہ کا خلاصہ

مذکور الصدر آیات قرآنی اور روایات

حدیث میں یہی نہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور ان کو رضوان الہٰی اور جنت کی بشارت دی گئی ہے بلکہ امت کو ان کے ادب واحترام اور ان کی اقتدار کا حکم بھی دیا گیا ہے ان میں سے کسی کو برا کہنے پر سخت وعید بھی فرمائی ہے۔ ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام کا یہی وہ منصب اور درجہ ہے جس کو زیر نظر مقالہ

"مقام صحابہ" میں پیش کرنا ہے۔

اس پر اُمّت محمّدیہ کا اجماع

ایک دو گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر باقی امت محمدیہ کا ہمیشہ سے صحابہ کرام کے بارے میں اسی اصول پر اجماع و اتفاق رہا ہے جو اوپر کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) صحابہ کرام کے بعد دوسرا قرن حضرات تابعین کا ہے جن کو احادیث مذکورہ میں خیر القرون میں داخل کیا ہے اس خیر القرون حضرات تابعین میں بھی حضرت عمر بن عبد العزیز سب سے افضل مانے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں صحابہ کرام کے اس مقام کی وضاحت اور لوگوں کو اس کے پابند ہونے کی تاکید الفاظ ذیل میں فرمائی ہے یہ طویل مکتوب حدیث کی مشہور کتاب متداول کتاب ابوداؤد میں سند کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کے ضروری جملے جو مقام صحابہ کے متعلق ہیں یہ ہیں۔

فارض لنفسک مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا وهم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیه اولیٰ فان کان الهدی ما انتم

پس تمہیں چاہیئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کر لو جس کو قوم (صحابہ کرام) نے اپنے لئے پسند کر لیا تھا۔ اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دوربین

علیہ لقد سبقتموھم الیہ ولئن قلتم انما احدث بعدھم مااحدثہ الامن اتبع غیر سبیلھم ورغب بنفسہ عنھم فانھم ھم السابقون فقد تکلموا فیہ بما یکفی ووصفوا منہ مایشفی فمادونھم من مقصر ومافوقھم من محسر وقد قصر قوم دونھم فجفوا وطمح عنھم اقوام فغلوا وانھم بین ذلک لعلی ھدی مستقیم۔ الخ

نظر کی بنا پر روکا اور بلاشبہ وہ ہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔ پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے یہ معنے ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے (جو بالکل محال ہے) اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی ہیں (اس لئے ان سے یہ طریقہ منقول نہیں) تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ رہنے والے ہیں کیونکہ یہی حضرات سابقین ہیں جو معاملات دین میں اتنا کلام کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اس کو اتنا بیان کر دیا جو شفا دینے والا ہے، پس ان کے

کے طریقہ سے کمی و کوتاہی کرنے کا
بھی موقع نہیں رہے۔ اور ان سے
زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں
ہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے
طریقہ میں کوتاہی کی وہ مقصد سے
دور رہ گئے اور بہت سے لوگوں نے
ان کے طریقہ سے زیادتی کا ارادہ
کیا وہ غلو میں مبتلا ہو گئے اور
یہ حضرات افراط و تفریط اور کوتاہی
کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے۔

افضل التابعین حضرت عمر بن عبد العزیز رح جن کی خلافت کو بعض علماء نے خلافت راشدہ کے ساتھ ملایا ہے اور ان کے دورِ خلافت میں اسلامی قوانین کی تنفیذ اور شعائرِ اسلام کا اعلاء بلاشبہ خلافتِ راشدہ ہی کے طرز پر ہوا ہے ان کے اس ارشاد کے مطابق ایک دو گمراہ فرقوں کے علاوہ پوری امت محمدیہ نے صحابۂ کرام کے متعلق اسی عقیدہ پر اجماع و اتفاق کیا ہے۔ اس اجماع کا عنوان عام طور پر کتب حدیث اور کتب عقائد میں یہ ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" حاصل مفہوم اس جملہ کا وہی ہے جو اوپر کتاب و سنت کے حوالوں سے صحابۂ کرام کے درجہ و مقام کے متعلق لکھا گیا ہے۔

الصحابۃ کلّہم عُدول کا مفہوم

لفظ عدول، عدل کی جمع ہے، یہ اصل میں مصدر ہے جصے برابر کرنے کے معنی ہیں، اور محاورات میں اس شخص کو عدل کہا جاتا ہے جو حق وانصاف پر قائم ہو۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے۔ حدیث میں بھی، کتب تفسیر میں بھی اس پر بحث ہے اور اصول حدیث، اصول فقہ اور عام فقہ میں اس کے اصطلاحی اور شرعی معنی کی تعیین کی گئی ہے، ابن صلاحؒ نے فرمایا :

تفصیلہ أن یکون مسلماً، بالغاً عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق وخوارم المروءۃ (علوم الحدیث لابن صلاح)	اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان مسلمان، بالغ، عاقل ہو، اور اسباب فسق سے نیز خلافِ مروت افعال سے محفوظ ہو،

اور شیخ الاسلام نووی رح نے "تقریب" میں فرمایا :-

"عدلا ضابطاً بأن يكون مسلماً، بالغاً عاقلاً

سليما من اسباب الفسق وخوارم المروءة،

علامہ سیوطی نے اس کی شرح "تدریب" میں فرمایا:

وفسر العدل (بأن يكون مسلما بالغا عاقلا) إلى

قوله سليما من اسباب الفسق وخوارم المروءة،

(تدریب الراوی ص۱۹۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى والمروءة والمراد بالتقوى اجتناب الأعمال السيئة من شركة أو فسق أو بدعة،

"عدل" سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر برانگیختہ کرے، اور تقویٰ سے مراد شرک، فسق، اور بدعت جیسے اعمالِ بد سے اجتناب ہے،

درمختار، کتاب الشہادت میں عدالت کی تفسیر یہ کی ہے:

ومن ارتكب صغيرة بلا اصرار ان اجتنب الكبائر كلها، وغلب صوابه على صغائره درر وغيرها قال وهو معنى

اور وہ شخص (بھی عادل ہے) جس سے صغیرہ گناہ بغیر اصرار (مداومت) کے صادر ہو جاتا ہو، بشرطیکہ وہ تمام کبیرہ گناہوں سے

العدالة قال ومتی ارتکب
کبیرۃ سقطت عدالته

پرہیز کرتا ہو، اور اس کے درست
افعال اس کے صغیرہ گناہوں سے
زیادہ ہوں (درو وغیرہ) یہی
عدالت کے معنی ہیں، اور کوئی
شخص جب کبھی کسی گناہ کبیرہ کا
مرتکب ہوگا، اس کی عدالت
ساقط ہو جائے گی۔

اس کی شرح میں ابن عابدین نے فرمایا:

فی الفتاوی الصغری
حیث قال العدل من یجتنب
الکبائر کلھا حتی لو ارتکب کبیرۃ
تسقط عدالته وفی الصغائر
العبرۃ بغلبه أو الإصرار
علی الصغیرۃ فتصیر کبیرۃ ولذا
قال غلب صوابه آه، قوله
(سقطت عدالته) ولتعود إذا
تاب ـ الخ

رد المختار ابن عابدین شامی ص ۵۲۳

فتاوی صغری میں لکھا ہے کہ
"عدل" وہ جو تمام کبیرہ گناہوں سے
مجتنب ہو، یہاں تک کہ اگر ایک
کبیرہ گناہ کا ارتکاب بھی کرلیگا تو
اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی
اور صغیرہ گناہوں میں اعتبار اکثریت
کا ہے، یا پھر کسی صغیرہ گناہ پر اصرار
(مداومت) کا کیونکہ اس صورت
میں صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے،
اسی لئے مصنف (درمختار) نے
یہ کہا ہے کہ اس کے درست افعال

زیادہ ہوں، اور مصنف نے
جو یہ کہا ہے کہ کبیرہ کے ارتکاب
سے عدالت ساقط ہو جائے گی،
(اس میں اتنا اضافہ کرنا چاہیے)
کہ اگر وہ توبہ کرلے تو عدالت
لوٹ آئے گی)

فقہاء و محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات میں عدل اور عدالت کی ایک ہی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، کسی صغیرہ گناہ پر مصر نہ ہو اور بہت صغیرہ گناہوں کا عادی نہ ہو، یہی مفہوم شرعی ہے تقوی کا، جیسا کہ ابن عابدین رح کی عبارت مذکورہ میں ہے، جس کا بالمقابل "فسق" ہے جس شخص کی عدالت کو ساقط قرار دیا جائے گا تو اصطلاح شرع میں اس کو "فاسق" کہا جائیگا اور جن حضرات سے تمام صحابہ کرام کے عدول ہونے پر اجماع امت نقل کیا گیا ہے ان کی اپنی اپنی عبارتوں سے بھی عدل اور عدالت کی یہی تفسیر معلوم ہوتی ہے،

ایک اشکال وجواب

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف امت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ان سے کبیرہ صغیرہ ہر طرح کے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے دوسری طرف یہ عقیدہ اوپر لکھا گیا ہے کہ سب کے سب عدول ہیں اور عدل

کے معنی اصطلاحی بھی سب کے نزدیک یہ ہیں جو کبھی گناہ کبیرہ کا مرتکب اور
صغیرہ پر مصر نہ ہو، اور جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا
یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہو گیا وہ ساقط العدالت کہلائے گا، جس
کا اصطلاحی نام فاسق ہے۔ یہ کھلا ہوا تضاد ان دونوں عقیدوں میں ہے
اس کا جواب جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرام سے اگرچہ
کوئی بڑا کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے مگر ان میں اور
عام افراد امت میں ایک فرق ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے جو کوئی شخص ساقط
العدالۃ یا فاسق ہو جاتا ہے، اب اس کی مکافات توبہ سے ہو سکتی ہے،
جس نے توبہ کر لی یا کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی حسنات کی وجہ
سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا وہ پھر عدل اور متقی کہلائیگا،
اور جس نے توبہ نہ کی وہ ساقط العدالۃ فاسق قرار دیا جائے گا،
اب توبہ کے معاملے میں عام افراد امت اور صحابہ کرام میں ایک
خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افراد امت کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے
کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں کی، اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس کی حسنات نے سب
سیئات کا کفارہ کر دیا۔ ان کے بارے میں جب تک توبہ کا ثبوت نہ ہو جائے
یا کسی ذریعہ سے عند اللہ معافی کا علم نہ ہو جائے ان کو ساقط العدالۃ فاسق
ہی قرار دیا جائے گا، نہ ان کی شہادت مقبول ہو گی نہ دوسرے معاملات میں
ان کا اعتبار کیا جائے گا، مگر صحابہ کرام کا معاملہ ایسا نہیں، اول تو ان
کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے،

اور کبھی کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لیے پیش کر دیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے، جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا۔ اس کو صبر نہیں آتا، صحابہ کرام کی اس خوف وخشیت کا تقاضا یہ ہے کہ جن حضرات سے توبہ کرنے کا اظہار بھی نہیں ہوا ہم ان کے بارے میں بھی یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کر لی ہوگی، دوسرے ان کے حسنات اور سوابق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلہ میں عمر بھر کا ایک آدھ گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہو جانا چاہیئے: وعدہ یہ ہے: ان الحسنات یذھبن السیات

یہاں تک تو ہر مسلمان کو خود بھی بغیر کسی واضح دلیل کے یہ اعتقاد واعتماد رکھنا عقل وانصاف کا تقاضا ہے۔ مگر صحابہ کرام کے معاملے میں ہمارا صرف یہ گمان ہی نہیں، قرآن کریم نے اس گمان کی تصدیق بار بار کر دی کبھی صحابہ کرام کی خاص خاص جماعتوں کے لئے اس کا اعلان کر دیا، کبھی صحابہ کرام وسابقین وآخرین کے لئے اعلان عام کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

بیعت حدیبیہ جس کو قرآنی بشارت کی وجہ سے بیعت رضوان اور بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے، اس میں جو تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام شریک تھے، ان کے بارے میں کھلے الفاظ سے یہ اعلان فرمایا:

لقد رضی اللہ عن المومنین	اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا
اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔	جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ

پر بیعت کر رہے تھے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بیعت تحت الشجرۃ میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے کسی کو جہنم کی آگ نہ چھو سکے گی اس مضمون پر متعدد احادیث مختلف الفاظ، اسنادِ صحیحہ کے ساتھ کتبِ حدیث و تفسیر میں موجود ہیں، اور عام صحابہ کرام اولین و آخرین کے حق میں یہ اعلان سورۃ توبہ میں اس طرح آیا:

السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنت تجري تحتها الأنهر خلدين فيها أبداً ذلك الفوز العظيم،

مہاجرین اور انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔

سورۂ "الحدید" میں صحابہ کرام کے بارے میں اعلان فرمایا،

وكلا وعد الله الحسنى

اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے حُسنیٰ کا وعدہ کر لیا ہے۔

پھر سورۂ انبیاء میں حُسنیٰ کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

الا الذین

ومن سبقت لهم منا الحسنى اولئک عنها مبعدون	یعنی جس کے لیئے ہماری طرف سے حسنیٰ مقدر کر دی گئی ہے وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

اس کا حاصل ظاہر ہے کہ سب ہی صحابہ کرام کے حق میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ وہ جہنم سے دور رکھے جاویں گے۔

نیز سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم، انہ بھم رؤف رحیم۔	اللہ تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی پیروی کی، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں، پھر اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بلاشبہ وہ ان پر بہت مہربان رحمت کرنے والا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین وآخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا، توبہ کرلے گا، یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بیشمار

حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے گا، اوران کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہوکر وہ صاف بیباق ہوجائیں اسی لئے ان میں سے کسی بھی صحابی کو ساقط العدالۃ یا فاسق نہیں کہا جاسکتا، صدورِ گناہ کے وقت اس پر تمام وہی احکام نافذ ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر ہوتے، حدِ شرعی یا تعزیری سزائیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں وہ ان پر جاری کی جائیں گی، اور صدورِ گناہ کے وقت اس عمل کو فسق بھی کہا جائے گا، جیسا کہ آیت ان جاءکم فاسقٌ بنباءٍ سے معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ ان کی توبہ یا معافی نصِ قرآن معلوم ہوچکی ہے اس لئے ان کو کسی وقت بھی ساقط العدالت فاسق نہ کہا جائے گا۔ کذا حققہ الآلوسی فی روح المعانی تحت آیۃ: وإن جاءکم فاسق،

قاضی ابویعلیٰ نے آیت رضوان کے تحت فرمایا:

والرضیٰ من اللہ صفت قدیمۃ فلا یرضی الا من عبد علم أنہ یوفیہ علی موجبات الرضی ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدًا۔	اور اللہ کی خوشنودی، باری تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیمہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ صرف اس بندے سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ رضامندی کے موجبات کا جامع ہے اور جس سے اللہ راضی ہوجائے اس پر کبھی ناراض نہیں ہوگا،
(الصارم المسلول لابن تیمیہ)	

صحابہ کرام کے غیر معصوم ہونے اور سب کے عدول ہیں جو ایک ظاہری تعارض ہے اس کا جواب جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک یہی ہے اور وہ بالکل واضح اور صاف ہے،

اور بعض علماء نے جو عدم عصمت اور عموم عدالت کے تضاد سے بچنے کے لئے عدالت کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں عدالت سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں بلکہ صرف روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت و شرع پر ایک زیادتی ہے جس کی کوئی ضرورت اور کوئی وجہ نہیں، اور ان حضرات کے پیش نظر بھی اس ترمیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس کی روسے کسی صحابی کو اپنے عمل و کردار کی حیثیت سے ساقط العدالۃ یا فاسق قرار دینا چاہتے ہیں، ان کے کلمات دوسرے مواقع میں خود اس کی نفی کرتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالہ سے منسوب کیا گیا ہے یہ مضمون کی وجہ سے ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں

بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں۔ کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو
اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل
کر دیا ہو اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رح ہی کا قول ہے
تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ (واللہ اعلم)

علم عقائد و کلام کی تقریباً سبھی کتابوں میں اسی طرح اصولِ حدیث
کی سب کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، جس میں سے چند کے
حوالے اس جگہ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاح رح "علوم حدیث"
میں تحریر فرماتے ہیں:

للصحابة باسرهم خصيصة
وهي انه لا يسأل عن عدالة
احد منهم بل ذلك امر مفروغ
عنه لكونهم على الاطلاق معدلين
بنصوص الكتاب والسنة و
اجماع من يعتد به في الاجماع
من الامة قال تعالىٰ: كنتم
خير امة اخرجت للناس،
قيل اتفق المفسرون على انه
وارد في اصحاب رسول الله

تمام صحابہ کرام کی ایک خصوصیت
ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے
کسی کی عدالت (ثقہ و متقی) ہونے
کا سوال بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ
یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے قرآن و
سنت کی نصوص قطعیہ اور اجماع
امت جن لوگوں کا معتبر ہے، ان
کے اجماع سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ
نے فرمایا: کہ تم بہترین امت ہو
جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے

صلی اللہ علیہ وسلم (ثم سرد لبعض النصوص القرآنیہ والاحادیث کما ذکرنا سابقًا)

(علوم الحدیث صـ ۲۶۴)

بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آئی ۔

(۳) حافظ ابن عبد البرؒ نے مقدمہ استیعاب میں فرمایا :

فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم ونصرته ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منها قال تعالى: محمد رسول الله والذين معه الآية ۔

(الاستيعاب تحت الاصابه صـ ۲ ج ۱)

یہ حضرات صحابہؓ ہر زمانے کے افراد سے افضل ہیں اور وہ بہترین امت ہیں جسے اللہ نے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے پیدا فرمایا : ان سب کی عدالت اس طرح ثابت ہے کہ اللہ نے بھی ان کی تعریف و توصیف فرمائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون عادل ہو سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نصرت کے لئے چن لیا ہو، کسی شخص کے حق میں عدالت و ثقاہت کی کوئی اس شہادت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی ۔

امام احمدؒ کا اپنا ایک رسالہ اصطخری کی روایت سے منقول ہے اس میں فرمایا:

لا یجوز لاحد ان یذکر شیئاً من مساویہم ولا ان یطعن علی احد منہم بعیب ولا نقص فمن فعل ذلک وجب تأدیبہ وقال المیمونی سمعت احمد یقول مالہم ولمعاویۃ نسأل اللہ العافیۃ وقال لی یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوء فاتہمہ علی الاسلام (ذکرہ ابن تیمیہ فی الصارم المسلول)	کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی کوئی برائی ذکر کرے، اور ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے جو شخص ایسا کرے، اس کی تادیب واجب ہے اور میمونی رح فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

(۵) امام نووی رح نے اپنی کتاب تقریب میں فرمایا

الصحابۃ کلہم عدول من لابس الفتن وغیرہم باجماع من یعتد بہ	صحابہ سب کے سب عدل ہیں جو اختلافات کے فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔

(۶) علامہ سیوطی رح نے اسی تقریب کی شرح تدریب الراوی میں پہلے اس کے ثبوت میں وہ آیات قرآنی اور روایات حدیث لکھی ہیں جن کا ایک حصہ اوپر لکھا جا چکا ہے پھر فرمایا:

"ان سب حضرات کا تعدیل و تنقید سے بالاتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ حضرات حاملان شریعت ہیں اگر ان کی عدالت مشکوک ہو جائے تو شریعت محمدیہؐ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ قیامت تک آنے والی نسلوں اور دور دراز کے ملکوں اور خطوں میں عام نہیں ہو سکتی (اس کے بعد جن بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں کچھ اختلافی پہلو لکھا ہے ان پر رد کر کے آخر میں فرمایا۔

والقول بالتعميم هو الذی صرح به الجمهور وهو المعتبر۔ (تدریب الراوی ص ۴۰۰)	عدالت کا تمام صحابہ کرام میں عام ہونا ہی جمہور کا قول ہے اور وہی معتبر ہے۔

(۷) علامہ کمال ابن ہمام رح نے عقائد اسلامیہ پر اپنی جامع کتاب مسایرہ میں لکھا ہے:-

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبا باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه	عقیدہ اہل سنت والجماعت کا تمام صحابہ کرام کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کے عدول ہونے کو ثابت کیا جائے اور ان پر کسی قسم کا طعن کرنے

وتعالیٰ علیہم ثم سرد الآیات والروایات التی مرت)	سے پرہیز کیا جائے اور ان کی مدح وثنا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے (پھر ابن ہمام نے وہ آیات و روایات نقل کی ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔
(مسایرہ صفحہ ۱۳۲ طبع دیوبند)	

(۸) حافظ ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں فرمایا۔

ومن اصول اہل السنۃ والجماعۃ سلامۃ قلوبہم والسنتہم لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما وصفہم اللہ تعالیٰ فی قولہ تعالیٰ والذین جاؤا من بعدہم الآیۃ۔	اہل سنت کے اصولِ عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ والذین جاءوا من بعدہم الخ

(شرح عقیدہ واسطیہ صفحہ ۴۰۳ طبع مصر)

(۹) علامہ سفارینی رحہ نے اپنی کتاب الدرۃ المفیئۃ اور اس کی شرح جو سلف صالحین کے عقائد پر تصنیف فرمائی ہے اور لوامع الانوار البہیہ شرح الدرۃ المفیئۃ کے نام سے شائع ہوئی اس میں فرماتے ہیں۔

والذی اجمع علیہ اہل السنۃ والجماعۃ انہ یجب علی کل احد تزکیۃ جمیع الصحابۃ	اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو پاک صاف سمجھے

باثبات العدالة لهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم فقد اثنى الله سبحانه عليهم فی عدۃ آیات من کتابه العزیز على انه لولم يرد عن الله ولا عن رسوله فيهم شيئ لاوجبت الحال التی کانوا علیها من الهجرة و والجهاد ونصرة الدين وبذل المهج والاموال وقتل الاباء والاولاد والمناصحة فی الدين وقوة الايمان واليقين القطع بتعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وانهم افضل جميع الامة بعد نبيهم هذا مذهب كافة الامة ومن عليه المعول من الائمة

(عقیدہ سفارینی ص ۳۳۸ ج ۲)

ان کے لئے عدالت ثابت کرے ان پر اعتراضات کرنے سے بچے، اور ان کی مدح و توصیف کرے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے، اس کے علاوہ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات منقول نہ ہوتی تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا، اور اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری امت کے افضل ترین افراد ہیں اس لئے کہ ان کے تمام حالات اسی کے مقتضی تھے، انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا، دین کی نصرت میں اپنی جان و مال کو قربان کیا، اپنے باپ بیٹوں کی قربانی پیش کی، اور دین کے معاملے میں

باہمی خیر خواہی اور ایمان ویقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

(۱۰) اسی کتاب میں امام ابوزرعہ عراقی جو امام مسلم کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

اذا رأيت الرجل ينتقص احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلك ان القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادّى ذلك الينا كلّه الا الصحابة فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليه بالزندقة والضلال اقوم واحق (ص ۳۸۹ ج ۲)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسولؐ حق ہیں، جو تعلیمات آپؐ لے کر آئے وہ حق ہیں، اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ کے سوا کوئی نہیں، تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے، وہ کتاب وسنّت کو باطل کرنا چاہتا ہے لہٰذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، اور اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرین حق وانصاف ہے

(۱۱) اسی کتاب میں حافظ حدیث ابن حزم اندلسی سے اس مسئلہ میں قول نقل کیا ہے:-

قال ابن حزم الصحابة کلھم من اھل الجنۃ قطعا قال تعالیٰ (لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ) وقال تعالیٰ (ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولٰئک عنھا مبعدون) (ص ۳۸۹)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ کہ تمام صحابہ قطعی طور پر اہل جنت میں سے ہیں (دلیل یہ ہے کہ) باری تعالیٰ فرماتے ہیں "تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد کے لوگوں کے) برابر نہیں ہو سکتے، وہ لوگ درجہ کے اعتبار سے ان لوگوں کے مقابلہ میں عظیم تر ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد انفاق اور قتال کیا، اور اللہ نے اچھائی (جنت) کا وعدہ سبھی سے کیا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہمارا اچھائی (جنت) کا وعدہ پہلے سے آچکا ہے۔ وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

عقائد کی مشہور درسی کتاب عقائد نسفیہ میں ہے۔

یعنی اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رض کا ذکر بجز خیر اور بھلائی کے نہ کرے۔	(۱۲) ویکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر۔

(۱۳) اسی طرح عقائد اسلامیہ کی معروف کتاب شرح مواقف میں سید شریف جرجانی نے مقصد سابع میں لکھا ہے۔

تمام صحابہ رض کی تعظیم اور ان پر اعتراض سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اس نے ان حضرات پر اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں مدح و ثنا فرمائی ہے (اس طرح کی آیات نقل کر کے لکھتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان پر ثنا فرمائی ہے۔	المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلھم والکف عن القدح فیھم لان اللہ عظیم واثنی علیھم فی غیر موضع من کتابہ (ثم ذکر الآیات المنزلۃ فی الباب ثم قال) — والرسول صلی اللہ علیہ وسلم قد احبھم واثنی علیھم فی الاحادیث الکثیرۃ۔

ان ہی شارح مواقف نے ایک مقام پر بعض اہل سنت کی طرف نسبت کر کے یہ قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رض سے جنگ کرنے

والوں کی خطا تفسیق کی حد تک پہنچتی ہے لیکن شارح مواقف کے اس قول
کی کوئی بنیاد ہمیں معلوم نہیں ہو سکی، اہل سنت کے کسی ایک عالم کے کلام
میں بھی ہمیں یہ بات نظر نہیں آئی کہ انہوں نے اس بناء پر حضرت عائشہؓ
یا حضرت معاویہؓ کو فاسق قرار دیا ہو، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ
علیہ نے مکتوبات میں شارح مواقف کے اس قول کی سخت تردید کی ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

وآنچہ شارح مواقف گفتہ
کہ بسیارے از اصحاب ما برآں اند
کہ آں منازعت از روئے اجتہاد
نبودہ مراد از اصحاب کدام گروہ
را داشتہ باشد، اہل سنت برخلاف
آں حاکم اند چنانکہ گذشت وکتب القوم
مشحونۃ بالخطاء الاجتہادی
کما صرح بہ الامام الغزالی و
القاضی ابوبکر وغیرھما۔ پس تفسیق
وتضلیل درحق محاربان حضرت
امیر جائز نباشد قال القاضی فی الشفاء
قال مالکؒ من شتم أحدًا من
أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور یہ جو شارح مواقف نے
کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب
اس مسلک پر ہیں کہ حضرت علیؓ کے
ساتھ جنگ اجتہاد پر مبنی نہیں تھی
اس میں نہ جانے اصحاب سے کون
سا گروہ مراد لیا ہے، اہل سنت
کا عقیدہ تو اس کے خلاف ہے۔
جیسا کہ گذر چکا، اور علمائے اہل سنت
کی کتابیں خطاء اجتہادی کی تصریح
سے بھری ہوتی ہیں جیسے کہ امام غزا
اور قاضی ابوبکر بن عربی رح وغیرہ
بہ صراحت لکھا ہے لہٰذا حضرت ع
سے جن حضرات نے جنگ کی انہ

أبا بكر أو عمر أو عثمان أو معاوية
أو عمرو بن العاص رضي الله
تعالى عنهم فان قال كانوا على
ضلال أو كفر قتل وإن شتم بغير
هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا
شديدا، فلا يكون محاربو علي
كفرة كما زعمت الغلاة من الرفضة
ولا فسقة كما زعم البعض ونسبه
شارح المواقف إلى كثير من أصحابه
.... وآنچه در عبارات بعضی
از فقهاء لفظ جور در حق معاویہؓ
واقع شده است وگفته کان
معاویة إماما جائرا مراد از
جور عدم حقیقت خلافت
او در زمان خلافت حضرت
امیر خواهد بود نہ جورے
کہ مآلش فسق وضلالت است
تا بہ اقوال اہل سنت موافق
باشد، مع ذلک ارباب استقامت

فاسق یا گمراہ کہنا جائز نہیں ہے۔
قاضی عیاضؒ نے شفاء میں امام مالکؒ
کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص صحابۂ
کرام رضؓ میں سے کسی کو بھی، خواہ وہ
ابوبکرؓ وعمرؓ یا عثمانؓ ہوں یا معاویہؓ
اور عمرو بن عاصؓ برا کہے تو اگر یہ
کہے کہ وہ گمراہی یا کفر پر تھے تو اسے
قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کے
علاوہ عام گالیوں میں سے کوئی
گالی دے تو اسے سخت سزا دیجائیگی
لہٰذا امام مالکؒ کے اس قول کی رو
سے بھی حضرت علیؓ کا مقابلہ کرنے
والے نہ تو کافر ہیں جیسے کہ بعض غالی
روافض کا خیال ہے، اور نہ فاسق
ہیں جیسے کہ بعض کا گمان ہے اور
شارح مواقف نے اس کی نسبت
اپنے بہت سے اصحاب کی طرف کی
ہے اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں
میں حضرت معاویہؓ کے حق میں جور

از اتیان الفاظ موھمۂ خلاف مقصود اجتناب می نمایند و زیادہ بر خطا تجویز نمی کنند۔
(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصۂ چہارم مکتوب ۲۵۱ ص ۶۷ تا ۶۹ جلد دوم (مطبوعہ نور کمپنی لاہور)

کا لفظ آگیا ہے، اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام جائر تھے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ان کی خلافت برحق نہ تھی، اس سے وہ ظلم وجور مراد نہیں ہے جس کا نتیجہ فسق اور گمراہی ہے، یہ تشریح اس لئے ضروری ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اس کے ساتھ دین پر استقامت رکھنے والے ان حضرات کے حق میں ایسے الفاظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں جن سے خلاف مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو، اور ان حضرات کے لئے "خطاء" کے لفظ سے زیادہ کوئی لفظ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔

مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ اور عمل

لفظ مشاجرہ شجر سے مشتق ہے جس کے اصل معنے تنے دار درخت کے ہیں جس کی شاخیں اطراف میں پھیلتی ہیں باہمی اختلافات ونزاع کو اسی مناسبت سے مشاجرہ کہا جاتا ہے۔ کہ درخت کی شاخیں بھی ایک دوسری سے ٹکراتی اور ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات پیش آئے اور کھلی جنگوں تک نوبت پہنچ گئی، علماء امت نے ان کی باہمی حروب اور اختلافات کو جنگ وجدال سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ازروئے ادب "مشاجرہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ درخت کی شاخوں کا ایک دوسرے میں گھسنا اور ٹکرانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں، بلکہ درخت کی زینت اور کمال ہے۔

ایک سوال اور جواب

اسلام میں صحابہ کرامؓ کا درجہ اور مقام جو اوپر قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت اور اکابر علماء کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اس کے بعد ایک قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام سب کے سب واجب التعظیم اور عدل و ثقہ و متقی و پرہیزگار ہیں تو اگر ان کے آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آجائے تو ہمارے لئے طریق کار کیا ہونا چاہئیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دو متضاد اقوال میں دونوں کو صحیح سمجھ کر دونوں ہی کو معمول نہیں بنایا جا سکتا۔ عمل کرنے کے لئے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو چھوڑنا لازم ہے تو اس ترک و اختیار کا معیار کیا ہونا چاہئیے۔ نیز اس میں دونوں طرف کے بزرگوں کا ادب و احترام اور تعظیم کیسے قائم رہے گی جبکہ ایک کے قول کو مرجوح قرار دے کر چھوڑا جائے گا۔

خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ و خونریزی تک پہنچ گیا۔ ان میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے، دوسرا خطاء پر، اس خطاء و صواب کے معاملے کو طے کرنا عمل و عقیدہ کے لئے ضروری ہے، مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم و احترام کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے؟ جس کو خطاء پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطاء یا

مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے۔ اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا، لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے ان کا مقابلہ کرنے والے خطار پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطار پر، البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطار قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو۔ بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطار ہو گئی تو ایسے خطار کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

باجماع امت ان حضرات صحابہ رضم کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں، مجروح نہیں ہوتیں۔

اس طرح ایک طرف خطار و صواب کو بھی واضح کر دیا گیا دوسری طرف صحابہ کرام رضہ کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا، اور مشاجرات

صحابہؓ میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلا وجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہوں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال ذیل :۔

تفسیر قرطبی سورۂ حجرات میں آیت وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا کے تحت مشاجرات صحابہ پر سلف صالحین کے اقوال کے ساتھ بہترین تحقیق فرمائی ہے جو انہیں کی طویل عبارت میں لکھی جاتی ہے۔

(۱۴) العاشرة ۔ لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطاء مقطوع به اذ کانوا کلهم اجتهدوا فیما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم کلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالکف عما شجر بینهم، والا نذکرهم الا باحسن الذکر، لحرمة الصحبة ولنهی النبی صلی الله علیه وسلم عن سبهم، وان الله غفر لهم واخبر بالرضاء عنهم، هذا مع ما قد ورد من الاخبار من طرق مختلفة عن النبی صلی الله علیه وسلم ان طلحة شهید۔ یمشی علی وجه الارض، فلو کان ما خرج الیه من الحرب عصیانا لم یکن القتل فیه شهیدا، وکذلک لو کان ما خرج الیه خطاء فی التأویل وتقصیرا فی الواجب علیه، لان الشهادة لاتکون الا بقتل فی طاعة، فوجب حمل امرهم علی ما بیناه۔ ومما یدل علی ذلک ما قد صح وانتشر من اخبار علی بان قاتل الزبیر فی النار۔ وقوله : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول

بشر قاتل ابن صفیة بالنار ، و اذا کان کذلک فقد ثبت ان طلحة ، والزبیر غیر عاصیین ولا آثمین بالقتال ، لان ذلک لو کان کذلک لم یقل النبی صلی علیه وسلم فی طلحة : شہید ، ولم یخبران قاتل الزبیر فی النار ، وکذلک من قعد غیر مخطیٔ فی التاویل ۔ بل صواب اراھم اللہ الاجتہاد ۔ و اذا کان کذلک لم یوجب ذلک لعنھم والبرأة منھم وتفسیقھم ، وابطال فضائلھم وجہادھم ، وعظیم غنائھم فی الدین رضی اللہ عنھم وقد سئل بعضھم عن الدماء التی اریقت فیما بینھم فقال ۔ ، تلک امة قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ، وسئل بعضھم منہا الضا فقال : تلک دماء قد طھر اللہ منہا یدی ، فلا اخضب بہا لسانی ۔ یعنی فی التحرز من الوقوع فی خطاء والحکم علی بعضھم بما لا یکون مصیبًا فیہ قال ابن فورک : ومن اصحابنا من قال ان سبیل ماجرت بین الصحابة من المنازعات کسبیل ماجری بین اخوة یوسف مع یوسف ۔ ثم انھم لم یخرجوا بذلک عن حد الولایة والنبوة فکذلک الامر فیما جری بین الصحابة ۔ وقال المحاسبی : فاما الدماء فقد اشکل علینا القول فیہا باختلافھم ۔ وقد سئل الحسن البصری عن قتالھم فقال : قتال شہدہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغبنا ، وعلموا وجہلنا ، واجتمعوا فاتبعنا ، واختلفوا فوقفنا ۔ قال المحاسبی فنحن نقول کما قال الحسن ، ونعلم ان القوم کانوا اعلم

بما دخلوا فیہ امنا، ونتبع ما اجتمعوا علیہ، ونقف عند ما اختلفوا فیہ ولا نبتدع رأیا منا، ونعلم انہم اجتہدوا وارادوا اللہ عزوجل اذ کانوا غیر متہمین فی الدین، ونسال اللہ التوفیق۔

(تفسیر القرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶)

یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے۔ اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرزِ عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا، اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کفِ لسان کریں، اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے، اور ان سے راضی ہے، اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا :۔

ان طلحۃ شہید یمشی علی وجہ الارض "

" یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں،

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہوکر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح اگر حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا۔

کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعتِ ربانی میں قتل ہوا ہو، لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اسی بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "زبیرؓ کا قاتل جہنم میں ہے"

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :-

"صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو" جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضورؐ حضرت طلحہؓ کو "شہید" نہ فرماتے اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے۔ جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انہیں بھی تاویل میں خطاکار نہیں کہا جا سکتا، بلکہ ان کا طرزِ عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا، ان سے برارت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا، اُن کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ بعض علماء سے

پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا، تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ

تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون،

"یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، اس کے اعمال اس کے لئے ہیں، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا"

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:۔

"یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا" مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو ——— کسی معاملے میں یقینی طور پر خطاکار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورک رح فرماتے ہیں:۔

"ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام رض کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی، وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے بالکل یہی معاملہ صحابہ رض کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا بھی ہے۔

اور حضرت محاسبی رح فرماتے ہیں کہ:۔

"جہاں تک اس خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:-

"یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے، اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔"

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا، ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے، لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں، اور جس میں ان کا اختلاف ہو۔ اس میں خاموشی اختیار کریں، اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا، اور اللہ کی خوشنودی چاہی تھی، اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک و شبہہ سے بالاتر ہیں۔"

اس طویل عبارت میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے عقیدے کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔ عبادت کے شروع میں انہوں نے حضرت طلحہؓ اور

حضرت زبیرؓ کی شہادت سے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ان سے اس مسئلہ پر بطور خاص روشنی پڑتی ہے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ میں سے ہیں، اور ان دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے، اور جنھیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، ان دونوں حضرات نے حضرت عثمان رضہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لئے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا، اور اسی دوران شہید ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔
دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علیؓ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے مخالفین کا مقابلہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بھی شہادت کی پیشنگوئی فرمائی، غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا، بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق وباطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لئے بیک وقت شہادت کی پیشنگوئی نہ فرمائی جاتی، ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہے تھے۔ اس لئے وہ بھی شہید ہیں۔ اور حضرت عمارؓ کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں،

بلکہ اجتہاد ورائے کی بنار پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

شرح مواقف مقصد سابع میں ہے:

(۵۱) واما الفتن والحروب الواقعة بین الصحابة فالشامیة انکروا وقوعها ولاشک انه مکابرة للتواتر فی قتل عثمان و واقعة الجمل والصفین والمعترفون بوقوعها منهم من سکت عن الکلام فیها بتخطیة او تصویب وهم طائفة من اهل السنة فان ارادوا انه اشتغال بما لایعنی فلا بأس به اذ قال الشافعی وغیره من السلف تلک دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها السنتنا الخ

(شرح مواقف طبع مصر ص۳۷۴ ج۸)

رہے وہ فتنے اور جنگیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوئے تو فرقہ شامیہ نے تو ان کے وقوع ہی کا انکار کر دیا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعہ جمل و صفین جس تواتر کے ساتھ ثابت ہے، یہ اس کا بے دلیل انکار ہے۔ اور جن حضرات نے ان کے وقوع کا انکار نہیں کیا ہے ان میں سے بعض نے تو ان واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا اور نہ کسی خاص فریق کی طرف غلطی منسوب کی، نہ حق و صواب یہ حضرات اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک فضول کام ہے تو ٹھیک

ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ وغیرہ
علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ
ایسے خون ہیں جن سے اللہ نے
ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے،
اس لئے چاہیئے کہ ہم اپنی زبانوں
کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

(۱۴) شیخ ابن الہمام نے "شرح مسلمرہ" میں فرمایا:

واعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوبا باثبات الله انه لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالى (وذكر آيات عديدة ثم قال) واثنى عليهم الرسول صلى الله عليه وسلم (ثم سرد احاديث الباب) ثم قال وماجرى بين معاوية وعلي من الحروب كان مبنيا على الاجتهاد (شرح مسامرة صـ ۱۳۲ طبع دیوبند)

اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو لازمی طور پر پاک صاف مانتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کا تزکیہ فرمایا ہے، نیز ان کے بارے میں اعتراضات کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اور ان سب کی مدح وثنار کرتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ثنار فرمائی (اس کے بعد چند آیتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تعریف فرمائی (پھر سب کچھ

احادیث نقل کر کے لکھتے ہیں)۔
اور حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ
کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد
پر مبنی تھیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں اس بحث پر تفصیلی
کلام فرمایا ہے ان کے چند جملے یہ ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد لکھتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

ویتبرءون من طریقۃ الروافض الذین یبغضون الصحابۃ ویسبونہم وطریقۃ النواصب الذین یؤذون اھل البیت بقول او عمل ویمسکون عما شجر بین الصحابۃ ویقولون ان ھذہ الآثار المرویۃ فی مساویہم منھا ما ھو کذب، ومنھا ما قد زید فیہ ونقص وغیر وجہہ والصحیح منہ ھم فیہ معذورون اما مجتہدون مصیبون، و اما مجتہدون مخطئون، وھم	اہل سنت ان روافض کے طریقہ سے برارت کرتے ہیں جو صحابہؓ سے بغض رکھتے اور انہیں برا کہتے ہیں، اسی طرح ان ناصبوں کے طریقے سے بھی برارت کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنی باتوں سے نہ کہ عمل سے تکلیف پہنچاتے ہیں، اور صحابہؓ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت سکوت اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی برائی میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں

مع ذلک لا یعتقدون أن
کل واحد من الصحابة معصوم
من کبائر الاثم وصغائرہ بل یجوز
علیھم الذنوب فی الجملة، ولھم
من الفضائل والسوابق ما یوجب
مغفرة ما یصدر منھم ان صدر
حتی أنھم یغفرلھم من السیأت
مالا یغفرلمن بعدھم۔

سے بعض تو بالکل جھوٹ ہیں بعض
ایسی ہیں کہ انہیں کمی بیشی کر دی گئی
ہے، اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا
گیا ہے، اور اس قسم کی جو روائتیں
بالکل صحیح ہوں، ان میں بھی صحابہؓ
معذور ہیں، ان میں سے بعض حضرات
اجتہاد سے کام لے کر حق وصواب
تک پہنچ گئے، اور بعض نے اجتہاد
سے کام لیا، اور اس میں غلطی ہو گئی
اس کے ساتھ ہی اہل سنّت کا یہ
اعتقاد بھی نہیں ہے کہ صحابہؓ کا ہر
فرد تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے
معصوم ہے، بلکہ ان سے فی الجملہ
گناہوں کا صدور ممکن ہے، لیکن
ان کے فضائل وسوابق اتنے ہیں
کہ اگر کوئی گناہ ان سے صادر بھی
ہو تو یہ فضائل ان کی مغفرت کے
موجب ہیں، یہاں تک کہ ان کی
مغفرت کے مواقع اتنے ہیں کہ ان

کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔

کتاب مذکور میں ابن تیمیہؒ ایک مفصل کلام کے بعد لکھتے ہیں:۔

(۸) اور جب سلف صالحین اہل السنتہ والجماعت کا اصول یہ پڑ گیا جو اوپر بیان کیا گیا ہے تو اب یہ سمجھیے کہ ان حضرات کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کی طرف جو بھی گناہ یا برائیاں منسوب کی گئی ہیں ان میں بیشتر حصہ تو جھوٹ اور افتراء ہے اور کچھ حصہ ایسا ہے جس کو انہوں نے اپنے اجتہاد سے حکم شرعی اور دین سمجھ کر اختیار کیا، مگر بہت سے لوگوں کو ان کے اجتہاد کی وجہ اور حقیقت معلوم نہیں، اس لئے اس کو گناہ قرار دیا۔ اور کسی معاملہ میں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ خطاء اجتہادی ہی نہیں بلکہ حقیقتاً گناہ ہی ہے تو سمجھ لینا چاہئیے کہ ان کا وہ گناہ بھی معاف ہو چکا ہے، یا اس وجہ سے کہ انہوں نے توبہ کر لی (جیسا کہ بہت سے ایسے معاملات میں ان کی توبہ قرآن و سنت میں منقول و ماثور ہے) اور یا ان کی دوسری ہزاروں حسنات وطاعات کے سبب معاف کر دیا گیا اور یا اس کو دنیا میں کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلاء کر کے اس گناہ کا کفارہ کر دیا گیا اس کے سوا اور بھی اسباب مغفرت کے ہو سکتے ہیں (ان کے گناہ کو مغفور و معاف قرار دینے کی وجہ یہ ہے) کہ قرآن و سنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اس لئے ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل ان کے نامۂ اعمال میں باقی رہے جو جہنم کی سزا کا سبب بنے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی شخص ایسی حالت پر نہیں مرے گا۔ جو دخول جہنم کا سبب بنے تو اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے

استحقاق جنت میں مانع نہیں ہو سکتی۔

اور عشرہ بشرہ کے علاوہ کسی معین ذات کے متعلق اگرچہ ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ جنتی ہے جنت ہی میں جائے گا مگر یہ بھی تو جائز نہیں کہ ہم کسی کے حق میں بغیر کسی دلیل شرعی کے یہ کہنے لگیں کہ وہ مستحق جنت کا نہیں ہے کیونکہ ایسا کہنا تو عام مسلمانوں میں سے بھی کسی کے لئے جائز نہیں جن کے بارے میں ہمیں کسی دلیل سے جنتی ہونا بھی معلوم نہ ہو۔ ہم ان کے بارے میں بھی یہ شہادت نہیں دے سکتے کہ وہ ضرور جہنم میں جائے گا تو پھر افضل المؤمنین اور خیار المؤمنین (صحابہ کرام) کے بارے میں یہ کیسے جائز ہو جائے گا۔ اور ہر صحابی کے پورے اعمال ظاہرہ و باطنہ کی اور حسنات و سیئات اور ان کے اجتہادات کی تفصیلات کا علم ہمارے لئے بہت دشوار ہے اور بغیر علم و تحقیق کے کسی کے متعلق فیصلہ کرنا حرام ہے اسی لئے مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں سکوت کرنا بہتر ہے اس لئے کہ بغیر علم صحیح کے کوئی حکم لگانا حرام ہے۔ انتہی" (شرح عقیدہ واسطیہ ص۵۶۴)

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحیح روایت سے یہ واقعہ بیان کیا۔

(۱۹) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے۔ ایک یہ کہ وہ غزوہ احد میں میدان سے بھاگنے والوں میں تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے۔ تیسرے یہ کہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہ تھے۔

حضرت عبداللہ نے ان تینوں الزاموں کا جواب یہ

دیا کہ بیشک غزوہ احد میں فرار کا صدور ان سے ہوا مگر اللہ
تعالیٰ نے اس کی معافی کا اعلان کر دیا۔ مگر تم نے پھر بھی معاف
نہ کیا کہ اس کا ان پر عیب لگاتے ہو۔ رہا غزوہ بدر میں شریک
نہ ہونا تو وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا اور
اسی لئے آپ نے عثمان غنی کو غانمین بدر میں شمار کر کے ان کا
حصّہ لگایا اور بیعت رضوان کے وقت وہ حضور ہی کے بھیجے ہوئے
مکہ مکرمہ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو
اس بیعت میں شریک کرنے کے لئے خود اپنے ایک ہاتھ کو حضرت
عثمان رض کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دست مبارک سے بیعت
فرمائی۔ اور ظاہر ہے کہ خود عثمان غنی حاضر ہوتے اور ان کا ہاتھ
اس جگہ ہوتا تو بھی وہ فضیلت حاصل نہ ہوتی کیونکہ آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا دست مبارک اس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے "

اس واقعہ میں غور کرو کہ تین الزاموں میں سے ایک الزام کو صحیح مان کر یہ
جواب دیا کہ اب وہ ان کے لئے کوئی عیب نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف
کر دیا ہے۔ باقی دو الزاموں کا غلط بے اصل ہونا بیان فرما دیا۔ اس کو نقل کر کے
ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہی حال تمام صحابہ کا ہے ان کی طرف جو کوئی گناہ منسوب کیا جاتا ہے
یا تو وہ گناہ ہی نہیں ہوتا بلکہ حسنہ اور نیکی ہوتی ہے اور یا پھر وہ اللہ کا معاف کیا ہوا
گناہ ہوتا ہے (شرح عقیدہ واسطیہ ص۱۶۰ و ص۲۶۱)

(۲۰) علامہ سفارینی نے اپنی کتاب الدرۃ المضیئہ میں، پھر اس کی شرح میں

اس مسئلہ پر اچھا کلام کیا ہے اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے پہلے متن کتاب کے دو شعر لکھے ہیں۔

واحذر من الخوض الذی قد یزری بفضلہم مما جری لو تدری۔

اور پرہیز کرو صحابہ کرام میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل دینے سے جس میں ان میں سے کسی کی تحقیر ہوتی ہو۔

فانہ عن اجتہاد قد صدر فاسلم اذل اللہ من لہم ہجی

کیوں کہ ان کا جو عمل بھی ہوا ہے اپنے اجتہاد شرعی کی بناء پر ہوا ہے تم سلامتی کی راہ اختیار کرو۔ اللہ ذلیل کرے اس شخص کو جو ان کی بدگوئی کرے۔

اس کے بعد اس کی شرح میں فرمایا:

فانہ ای التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذی جری بینہم کان عن اجتہاد قد صدر من کل واحد من رؤس الفریقین ومقصد سائغ لکل فرقۃ من الطائفتین وان کان المصیب فی ذلک للصواب واحدہما وھو علی رضوان اللہ علیہ ومن والاہ والمخطیٔ ھو من نازعہ وعاداہ غیران للمخطی فی الاجتہاد اجرا

اس لئے کہ جو نزاع وجدال اور دفاع وقتال صحابہؓ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنار پر تھا، جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا، اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا، اگرچہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے، اور وہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء ہیں، اور خطار پر وہ حضرات ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ سے نزاع وعداوت کا معاملہ کیا، البتہ

وثوابا خلافا لاهل الجفاء وايضا
فكل ما صح مما جرى بين الصحابة
الكرام وجب حمله على وجه ينفي
عنهم الذنوب والآثام فمقاولة
علیؓ مع العباس رضی اللہ
عنهما لا تفضی الی شین، وتقاعد
علی رضؓ عن مبایعة الصدیق رضؓ
فی بدأ الامر کان لاحد امرین
اما لعدم مشورته کما عتب
علیه بذلک واما وقوفا
مع خاطر سیدة نساء العالم
فاطمة البتول مما ظنت انه لها
ولیس الامر کما هنالک ثم ان
علیاؓ بایع الصدیق رضؓ علی رؤس
الاشهاد فاتحدت الکلمة
ولله الحمد وحصل المراد - و
توقف علی عن الاقتصاص من
قتلة عثمان رضؓ اما لعدم العلم
بالقاتل واما خشیة تزاید الفساد

جو فریق خطا پر تھا، اسے بھی ایک
اجر و ثواب ملے گا، اس عقیدہ میں
صرف اہل جفاء و عناد ہی اختلاف
کرتے ہیں، لہٰذا صحابہ کرامؓ کے درمیان
مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں
ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب
ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے
الزام کو دور کرنے والی ہو، لہٰذا حضرت
علیؓ اور حضرت عباس رضؓ کے درمیان
جو تلخ کلامی ہوئی وہ کسی کے لئے
موجب عیب نہیں، نیز ابتداء میں
حضرت علیؓ نے جو حضرت ابوبکر رضؓ
کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، وہ
دو باتوں میں سے کسی ایک وجہ سے
تھی، یا تو اس لئے کہ ان سے مشورہ
نہیں لیا گیا تھا، جیسا کہ خود انہوں
نے اسی پر رنجیدگی کا اظہار فرمایا، یا
پھر اس سے حضرت فاطمہؓ کی دلداری
مقصود تھی جو یہ سمجھتی تھیں کہ آنحضرت

والطغیان وكانت عائشةؓ وطلحةؓ والزبیرؓ ومعاویةؓ رضی اللہ عنہم ومن اتبعہم ما بین مجتہد ومقلد فی جواز محاربة امیر المؤمنین سیدنا ابی الحسنین الانزع البطین رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے جو حصہ مجھے ملنا چاہیے، وہ ملے پھر حضرت علیؓ نے بلا شبہ تمام لوگوں کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی بات ایک ہو گئی اور مقصد حاصل ہو گیا۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں جو توقف سے کام لیا وہ یا تو اس بنا پر تھا کہ یقینی طور پر سے قاتل معلوم نہ ہو سکا یا اس لئے کہ فتنہ فساد میں اضافہ کا اندیشہ تھا، اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے متبعین نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کو جو جائز سمجھا اس میں ان میں سے بعض حضرات مجتہد تھے اور بعض ان کی تقلید کرنے والے۔

وقد اتفق اهل الحق ان

اور اس بات پر اہل حق کا اتفاق

المصيب في تلك الحروب والنازع
امير المومنين عليؓ من غير شك
ولا تدافع والحق الذي ليس عنه
نزول انهم كلهم رضوان الله عليهم
عدول، لانهم متأولون في
تلك المخاصمات مجتهدون في ماتيك
المقاتلات فانه وان كان الحق على
المعتمد عند اهل الحق واحدا
فالمخطئ مع بذل الوسع وعدم
التقصير ماجور لا مازور وسبب
تلك الحروب اشتباه القضايا
فلشدة اشتباهها اختلف
اجتهادهم وصاروا ثلاثة اقسام
قسم ظهر لهم اجتهاد ان الحق
في هذا الطرف وان مخالفه
باغ فوجب عليه نصرة الحق
وقتال الباغي عليه فيما اعتقدوه
ففعلوا ذلك ولم يكن لمن هذا
صفته التاخر عن مساعدة

ہے کہ ان جنگوں میں حق بلا شبہ حضرت
علیؓ کے ساتھ تھا، اور وہ عقیدۂ
برحق جس پر کوئی مصالحت نہیں
ہو سکتی، یہ ہے کہ یہ تمام حضرات صحابہؓ
عادل ہیں، اس لئے کہ ان تمام جنگوں
میں انہوں نے تاویل اور اجتہاد
سے کام لیا، اس لئے کہ اہل حق
کے نزدیک اگرچہ حق ایک ہی ہوتا
ہے، لیکن حق تک پہنچنے کے لئے
پوری کوشش صرف کرنے اور اس
میں کوتاہی نہ کرنے کے بعد کسی سے
غلطی بھی ہو جائے تو وہ ماجور ہی
ہوتا ہے، گناہ گار نہیں،

اور درحقیقت ان جنگوں
کا سبب معاملات کا اشتباہ تھا،
یہ اشتباہ اتنا شدید تھا کہ صحابہؓ کی
اجتہادی آراء مختلف ہو گئیں، اور
وہ تین قسموں میں بٹ گئے، صحابہؓ
کی ایک جماعت تو وہ تھی جس کے

الامام العادل فی قتال البغاۃ فی اعتقاد
وقسم عکسہ سواء بسواء وقسم
ثالث اشتبہت علیہم القضیۃ
فلم یظہر لہم ترجیح احد الطرفین
فاعتزلوا الفریقین وکان ھذا
الاعتزال ھو الواجب فی حقہم
لانہ لا یحل الاقدام علی قتال
مسلم حتی یظہر ما یوجب
ذلک وبالجملۃ فکلہم معذورون
وماجورون لا مازورون ولہذا
اتفق اھل الحق ممن یعتد بہ
فی الاجماع علی قبول شہاداتہم
ورواياتہم وثبوت عدالتہم ولھذا
کان علماؤنا لغیرھم من اھل
السنۃ ومنہم ابن حمدان فی نہایۃ
المبتدئین یجب حب کل الصحابۃ
والکف عما جری بینہم کتابۃ و
قراۃ واقراء وسماعا وتسمیعا،
ویجب ذکر محاسنہم والترضی

اجتہاد نے اسے اس نتیجہ تک پہنچایا
کہ حق فلاں فریق کے ساتھ ہے اور
اس کا مخالف باغی ہے، لہٰذا اس
پر اپنے اجتہاد کے مطابق برحق فریق
کی مدد کرنا اور باغی فریق سے لڑنا
واجب ہے چنانچہ انہوں نے ایسا
ہی کیا، اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا
حال یہ ہو اس کے لئے ہرگز مناسب
نہیں تھا کہ وہ امام عادل و برحق،
کی مدد اور باغیوں سے جنگ کے
فریضے میں کوتاہی کرے دوسری قسم
اس کے برعکس ہے اور اس پر
بھی تمام وہی باتیں صادق آتی ہیں
جو پہلی قسم کے لئے بیان کی گئی ہیں صحابہ رض
کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کیلئے کچھ
فیصلہ کرنا مشکل تھا، اور اس پر یہ واضح
نہ ہوسکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے
یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی۔ اور
ان حضرات کے حق میں یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی

عنهم والمحبة لهم وترک
التحامل علیهم واعتقاد العذر لهم
وانهم انما فعلوا ما فعلوا باجتهاد
سائغ لا یوجب کفرا ولا فسقا
بل وربما یثابون علیه لانه
اجتهاد سائغ ثم قال وقیل:
والمصیب علی رض ومن قاتله فخطاؤه
معفو عنه۔ وانما نهی عن الخوض
فی النظم (ای فی نظم العقیدة
عن الخوض فی مشاجرات الصحابة)
لان الامام احمد کان ینکر علی
من خاض ویسلم احادیث
الفضائل وقد تبرأ ممن ضللهم
او کفرهم وقال: السکوت
عما جری بینهم۔

(شرح عقائد سفارینی صـ ۳۸۶ ج ۲)

اس لئے کہ جب تک کوئی شرعی وجہ
واضح نہ ہو، کسی مسلمان کے خلاف
قتال کا اقدام حلال نہیں ہوتا۔ خلاصہ
یہ ہے کہ تمام صحابہؓ معذور اور ماجور
ہیں، گناہ گار نہیں، یہی وجہ ہے کہ
اہل حق کے تمام قابل ذکر علماء کا
اس پر اجماع ہے کہ ان کی شہادتیں
بھی قبول ہیں اور ان کی روایات
بھی، اور ان سب کے لئے عدالت
ثابت ہے ۔ اسی لئے ہمارے ملک
کے علماء نے ـــ اور ان کے علاوہ
تمام اہل سنت نے ـــ جن میں ابن
حمدانؒ (نہایۃ المبتدئین) بھی داخل
ہیں، فرمایا ہے کہ:

تمام صحابہؓ سے محبت رکھنا اور
ان کے درمیان جو واقعات پیش آئے
ان کو لکھنے، پڑھنے، پڑھانے، سننے
اور سنانے سے پرہیز کرنا واجب ہے
اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا، ان سے

رضامندی کا اظہار کرنا، ان سے محبت رکھنا، ان پر اعتراضات کی روش کو چھوڑنا، انہیں معذور سمجھنا، اور یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ایسے جائز اجتہاد کی بنار پر کیا جس سے نہ کفر لازم آتا ہے نہ فسق ثابت ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس پر انہیں ثواب ہو گا اس لئے کہ یہ ان کا جائز اجتہاد تھا۔ پھر کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حق حضرت علی رض کے ساتھ تھا، اور جس نے ان سے قتال کیا اس کی غلطی معاف کر دی گئی ہے۔" اور الدرۃ المفیۃ کی نظم میں جو مشاجرات کے معاملہ میں غور وبحث سے منع کیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ امام احمدؒ اس شخص پر نکیر فرمایا کرتے تھے۔ جو اس بحث میں الجھتا ہو۔ اور فضائل صحابہ میں جو

احادیث آئی ہیں۔ انہیں تسلیم فرما کر
ان لوگوں سے برات کا اظہار کرتے
تھے جو صحابہ کو گمراہ یا کافر کہتے ہیں،
اور کہتے تھے کہ "(صحیح طریقہ) مشاجرات
صحابہؓ میں سکوت اختیار کرنا ہے"

یہ مختصر مجموعہ ہے سلف وخلف، متقدمین ومتاخرین علماء امت کے عقائد واقوال کا جن میں تمام صحابہ کرام کے عدل وثقہ ہونے پر بھی اجماع واتفاق ہے اور اس پر بھی کہ ان کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے یا سکوت اختیار کریں، یا پھر ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔

صحابہ کرام معصوم نہیں مگر مغفور ومقبول ہیں

اسی کے ساتھ ان سب حضرات کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ صحابہ کرام انبیاء کی طرح معصوم نہیں ان سے خطائیں اور گناہ سرزد ہوسکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اور سزائیں جاری فرمائی ہیں احادیث نبویہ میں یہ سب واقعات ناقابل انکار ہیں۔ مذکورہ سابقہ بیانات میں اس کی تصریحات موجود ہیں ملاحظہ ہو روایت ۱۱ مگر اس کے باوجود عام افراد امت سے صحابہ کرام کو چند وجوہ خاص امتیاز حاصل ہے۔

(۱) اول یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی تھی خلاف شرع کوئی کام یا گناہ ان سے صادر ہونا انتہائی شاذونادر تھا۔ ان کے اعمال صالحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام پر اپنی جانیں اور مال واولاد سب کو قربان کرنا اور ہر کام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لئے ایسے مجاہدات کرنا جس کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی، ان بے شمار اعمال صالحہ اور فضائل وکمالات کے مقابلہ میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہوجانا اس کو خود ہی کالعدم کردیتا ہے۔

(۲) دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت اور ادنیٰ گناہ کے صدور کے وقت ان کا خوف وخشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا جاری کرنے کے لئے پیش کردینا اور اس پر اصرار کرنا روایات وحدیث میں معروف ومشہور ہیں۔ بحکم حدیث توبہ کرلینے سے گناہ مٹادیا جاتا ہے اور ایسا ہوجاتا ہے کہ کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔

(۳) قرآنی ارشاد کے مطابق انسان کی حسنات بھی اس کی سیئات کا خود بخود کفارہ ہوجاتی ہیں۔

ان الحسنات یذھبن السیات

(۴) اقامت دین اور نصرت اسلام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عسرت وتنگدستی اور مشقت ومحنت کے ساتھ ایسے معرکے سر کرنا کہ اقوام عالم میں ان کی نظیر نہیں۔

(۵) ان حضرات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہونا کہ باقی امت کو قرآن وحدیث اور دین کی تمام تعلیمات انہیں حضرات کے ذریعہ پہونچیں ان میں خامی وکوتاہی رہتی تو قیامت تک دین کی حفاظت اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اشاعت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کے اخلاق وعادات ان کے حرکات وسکنات کو دین کے تابع بنا دیا تھا ان سے اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوتا تھا اور اگر عمر بھر میں کبھی شاذونادر کسی گناہ کا صدور ہو گیا تو فوراً اس کا کفارہ توبہ واستغفار اور دین کے معاملہ میں پہلے سے زیادہ محنت ومشقت اٹھا کر کردینا انہیں معروف ومشہور تھا۔

(۶) حق تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا اور دین کا واسطہ اور رابطہ بنایا تو ان کو یہ خصوصی اعزاز بھی عطا فرمایا کہ اسی دنیا میں ان سب حضرات کی خطاؤں سے درگذر اور معافی اور اپنی رضاء ورضوان کا اعلان کردیا اور ان کے لئے جنت کا وعدہ قرآن میں نازل فرمادیا۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ ان سب حضرات سے محبت وعظمت علامت ایمان ہے اور ان کی تنقیص وتوہین خطرۂ ایمان۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر ان کے معصوم نہ ہونے اور شاذونادر گناہ کے صدور کے باوجود ان کے متعلق امت کا یہ عقیدہ قرار پایا کہ ان کی طرف کسی عیب وگناہ کی نسبت نہ کریں، ان کی تنقیص وتوہین کے شائبہ سے بھی گریز کریں

ان کے درمیان جو باہمی اختلافات اور مقاتلہ تک کی نوبت آئی ان مشاجرات میں اگرچہ ایک فریق خطار پر دوسرا حق پر تھا۔ اور علمار امت کے اجماع نے ان مشاجرات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق پر ہونا اور ان کے بالمقابل جنگ کرنیوالوں کا خطار پر ہونا پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کردیا، لیکن ساتھ ہی قرآن و سنت کی نصوص مذکورہ کی بنار پر اس پر بھی سب کا اجماع و اتفاق ہوا کہ جو فریق خطار پر بھی تھا اس کی خطار بھی اولًا اجتہادی تھی جو گناہ نہیں بلکہ اس پر ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیث صحیح میں مذکور ہے اور اگر قتل و قتال اور جنگ کے ہنگاموں میں کسی سے واقعی کوئی لغزش اور گناہ ہوا بھی ہے تو وہ اس پر نادم و تائب ہوئے۔ جیسا کہ اکثر حضرات سے ایسے کلمات منقول ہیں (ان کا آگے ذکر کیا جائے گا)

خصوصًا جبکہ قرآن کریم نے ان کی مدح و ثنار اور ان سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا بھی اعلان فرمادیا جو عفو و درگذر سے بھی زیادہ اونچا مقام ہے ملاحظہ ہوں روایات مذکورہ ہیں: (۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱)

جن حضرات کے اتفاقی گناہوں اور خطاؤں کو بھی حق تعالیٰ معاف کرچکا تو اب کسی کو کیا حق ہے۔ کہ ان گناہوں اور خطاؤں کا تذکرہ کرکے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرے اور اس مقدس گروہ پر امت کے اعتقاد و اعتماد میں خلل ڈال کر دین کی بنیادوں پر ضرب لگائے اس لئے سلف صالحین نے عمومًا ان معاملات میں کفِ لسان اور سکوت کو ایمان کی سلامتی کا ذریعہ قرار دیا۔ باہمی حروب کے درمیان ہر فریق کے حضرات کی طرف جو باتیں قابل اعتراض منسوب

کی گئیں ہیں۔ ان کے بارے میں وہ طریقہ اختیار کیا جو عقیدہ واسطیہ کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ

ان قابل اعتراض باتوں کا بیشتر حصہ تو کذب وافتراء ہے جو روافض وخوارج اور منافقین کی روایتوں سے تاریخ میں درج ہو گیا ہے اور جو کچھ صحیح بھی ہے تو وہ بھی گناہ اس لئے نہیں کہ اس کو انہوں نے اپنے اجتہاد سے جائز بلکہ دین کے لئے ضروری سمجھکر اختیار کیا، اگرچہ وہ اجتہاد ان کا غلط ہی ہو مگر پھر بھی گناہ نہیں۔ اور اگر کسی خاص معاملے میں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خطاء اجتہادی ہی نہیں، واقعی گناہ کی بات ہے۔ تو ظاہر ان حضرات کے خوف خدا وفکر آخرت سے یہ ہے کہ انہوں نے اس سے توبہ کر لی خواہ اس کا اعلان نہ ہوا ہو۔ اور لوگوں کے علم میں نہ ہو اور بالفرض یہ بھی نہ ہو تو ان کے حسنات اور دین کی خدمات اتنی عظیم ہیں کہ ان کی وجہ سے معافی ہو جانا قریب بیقین ہے۔

البتہ بعض حضرات نے روافض وخوارج اور منافقین کی شائع کردہ روایات سے عوام میں پھیلنے والی غلط فہمی دور کرنے کے لئے مشاجرات صحابہ میں کلام کیا ہے۔ جو اپنی جگہ صحیح ہے مگر پھر بھی وہ ایک مزلۃ الاقدام ہے، جس سے صحیح سالم نکل آنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے جمہور امت اور اتقیاء سلف نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

سلف صالحین اور علمائے امت کے ارشادات کا خلاصہ

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلا استثناء سب صحابہ کرام کے حق میں

فرمایا:۔

وہ پاک دل عادات و اخلاق میں سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ ان کی قدر کرنا چاہیئے۔ (امام احمد)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے جب حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے گئے۔ تو باوجودیکہ ان تین الزاموں میں ایک صحیح بھی تھا مگر حضرت ابن عمرؓ نے مدافعت فرمائی اور الزام لگانے والوں کو ملزم ٹھہرایا۔ (روایت ۱۹ ابن تیمیہ بعد صحیح)

(۳) افضل التابعین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ صحابہ کرام، امت کے سابقین اور ان کے مقتداء ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ روایت ۱)

(۴) حضرت حسن بصریؒ سے قتالِ صحابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ "یہ معاملہ ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس میں حاضر اور موجود تھے اور ہم غائب، وہ حالات و معاملات کی صحیح حقیقت جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، اس لیے جس چیز پر وہ متفق ہو گئے ہم نے ان کا اتباع کیا اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اس میں ہم نے توقف اور سکوت کیا (روایت ۱۴ از قرطبی)

(۵) حضرت محاسبیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حضرت حسنؒ نے فرمائی کہ ان حضرات صحابہ نے جو عمل اختیار کیا اس میں وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اس لئے ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس معاملہ میں ان کا اتفاق ہو تو ہم

ان کا اتباع کریں اور جس میں اختلاف ہو وہاں توقف اور سکوت اختیار کریں، کوئی نئی رائے اپنی طرف سے قائم نہ کریں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کیا اور ان کا مقصود اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل تھی کیونکہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں متہم نہیں تھے۔ (روایت ۱۴ از قرطبی)

(۶) حضرت امام شافعیؒ نے مشاجرات صحابہ میں گفتگو کرنے کے متعلق فرمایا:

کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ (کیوں کہ ہم اس وقت موجود نہ تھے) اس لیے ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی اس خون سے آلودہ نہ کریں (یعنی کسی صحابی پر حرف گیری نہ کریں اور کوئی الزام نہ لگائیں بلکہ سکوت اختیار کریں) (روایت ۵ ا شرح مواقف)

(۷) امام مالکؒ کے سامنے جب ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کی تو آپ نے قرآن کی آیت والذین معہ سے لیغیظ بھم الکفار تک تلاوت فرمائی اور کہا کہ جس شخص کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔ ذکرہ الخطیب ابوبکر، اور حضرت امام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صحابہ کرام کی تنقیص کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ کے صحابہ کی برائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے آدمی تھے، اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہ بھی صالحین ہوتے (الصارم المسلول ابن تیمیہ)

(۸) امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کی برائی کا تذکرہ کرے یا ان پر کسی عیب اور نقص کا طعن کرے، اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے سزا دینا واجب ہے اور فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابی کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و ایمان کو متہم و مشکوک سمجھو (روایت ۵۵)

اور ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر سب و شتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے، (رواہ اللالکائی) ذکرہ ابن تیمیہ فی الصارم المسلول)

(۹) امام ابوزرعہ عراقیؒ، استاذِ مسلمؒ نے فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے جو قرآن و سنت سے امت کا اعتماد زائل کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو زندیق اور گمراہ کہنا ہی حق و صحیح ہے۔

(روایت ۵۷)

یہ تو چند اسلاف امت کے خصوصی ارشادات ہیں اس کے علاوہ مذکور الصدر روایات و عبارات میں اس کو امت کا اجماعی عقیدہ بتلایا ہے جس سے انحراف کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں،

مشاجراتِ صحابہ کے معاملہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جنہیں یہ حضرات صحابہ گذرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن و سنت میں ان کی مدح و ثنا اور رضوان خداوندی کی بشارت اس کو مقتضی ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اسکو معاف قرار دیکر ائمے

معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسرِ شان ہوتی ہو، یا جو ان کے لیے سبب ایذاء ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء ہے، بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو اس معاملہ میں محقق مفکر بہادری کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ الزام ڈالے۔

مستشرقین اور ملحدین کے اعتراضات کا جواب

اس زمانے میں جن اہل قلم نے مصر اور ہند و پاکستان میں مشاجرات صحابہ کے مسئلہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور اس پر کتابیں لکھی ہیں ان کے پیش نظر دراصل آج کل کے مستشرقین اور ملحدین کا دفاع اور جواب وہی ہے جس کو انہوں نے اسلام کی خدمت سمجھکر اختیار کیا ہے۔

اس وقت جبکہ عام مسلمانوں میں اپنی تعلیم کے فقدان اور نئی ملحدانہ تعلیم کے رواج نے خود مسلمانوں کے بہت بڑے طبقے کو اسلام اور عقائد اسلام اور احکام وسلام سے بیگانہ کر دیا ہے اسلاف کا ادب واحترام ان کے ذہنوں میں ایک بے معنی لفظ ہو کر رہ گیا ہے اسی کا نام آزادی خیال رکھا گیا ہے۔ مستشرقین اور ملحدین جو ہمیشہ سے اسلام پر مختلف جہات سے حملے کرنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

انہوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اسلام پر اس رخ سے حملہ شروع کیا کہ

عوام میں صحابہ کرام کے متعلق ایسی باتیں پھیلائی جائیں جن سے صحابہ کرام کا اعتماد واعتقاد جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے وہ نہ رہے اور جب اس مقدس گروہ سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر ہر بے دینی کے لئے راستہ ہموار ہو گیا اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلمانوں ہی کی کتب تواریخ پر ریسرچ اور تحقیق کے نام سے کام شروع کیا۔ اور کتب تواریخ جو صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات پر مشتمل ہیں اور جن میں روافض وخوارج کی روائتیں بھی شامل ہیں ان میں سے چن چن کر وہ حکایات وروایات منظر عام پر لائے جن سے اس مقدس گروہ کی حیثیت اقتدار پسند لیڈروں سے زائد کچھ نہیں رہتی اور ان میں بھی ان کی زندگی کو ایک گھناؤنی تصویر میں پیش کرنے لگے۔ ہمارا تو تعلیمیافتہ طبقہ جو اپنے گھر کی چیزوں سے بے خبر اور اسلام کے ضروری عقائد واحکام سے ناواقف کر دیا گیا ہے وہ مستشرقین کی کتابیں شوق سے پڑھتا ہے، اور بدقسمتی سے ان کی بحثوں کو ہی ایک علم سمجھکر پڑھتا ہے وہ مستشرقین اور ملحدین کے اس دام میں آنے لگے۔

یہ دیکھکر مسلمانوں میں سے کچھ اہل قلم نے ان کے دفاع کے لئے کام شروع کیا۔ اور یہ بلاشبہ اسلام کی ایک خدمت تھی جو زمانہ قدیم سے علم کلام اور متکلمین اسلام کرتے آئے ہیں۔

لیکن اس کام کا جو طریقہ اختیار کیا وہ اصولاً غلط تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود ان کے دام میں آگئے۔ اور صحابہ کرامؓ کے تقدس اور پاکبازی کو مجروح اور اس مقدس گروہ کو بدنام کرنے کا جو کام مستشرقین اور ملحدین نہیں کر سکے تھے کہ حقیقت شناس مسلمان بہرحال ان کو دشمن اسلام جان کر ان پر اعتماد نہ کرتے تھے،

وہ کام ان مصنفین کی کتابوں نے پورا کر دیا۔

وجہ یہ ہے کہ کسی بھی شخصیت کو مجروح کرنے اور اس پر کوئی الزام ثابت کرنے کے لئے اسلام نے جرح وتعدیل کے خاص اصول مقرر فرمائے ہیں جو عقلی بھی ہیں اور شرعی بھی۔ جب تک الزامات کو جرح وتعدیل کے اس کانٹے میں نہ تولا جائے اس وقت تک کسی بھی شخصیت پر کوئی الزام عائد کرنا اسلام میں جرم اور ظلم ہے۔ یہاں تک کہ جو شخصیتیں ظلم وجور میں معروف ہیں ان پر بھی کوئی خاص الزام بغیر ثبوت وتحقیق کے لگا دینے کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے بعض اکابر امت کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف ثقفی پر جس کا ظلم وجود دنیا میں معروف ومتواتر ہے کوئی تہمت لگائی تو اس بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کا ثبوت شرعی موجود ہے کہ حجاج بن یوسف نے یہ کام کیا ہے۔ ثبوت کوئی تھا نہیں۔ نقل کرنے والے نے حجاج کے بدنام اور معروف بالفسق ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی کہ اس کا ثبوت مہیا کرے۔

اس مقدس بزرگ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ حجاج اگر ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں کشتگان ظلم کا انتقام لے گا تو اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ حجاج پر اگر کوئی غلط تہمت لگائے گا تو اس کا بھی انتقام اس سے لیا جائے گا۔ رب العالمین کا قانون عدل اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص گناہ گار فاسق بلکہ کافر بھی ہے تو اس پر جو چاہو الزام اور تہمت لگا دو۔

اور جب اسلام کا یہ معاملہ عام افراد انسان یہاں تک کہ کفار وفجار کے ساتھ بھی ہے تو اندازہ لگائیے کہ جس گروہ یا جس فرد نے اللہ ورسول پر ایمان لانے کے بعد اپنا سب کچھ ان کی مرضی کے لئے قربان کیا ہو اور اپنے ایک ایک قدم اور ایک ایک سانس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کو وظیفہ زندگی بنایا ہو جن کے مقام اخلاق اور عدل وانصاف کی شہادتیں دشمنوں نے بھی دی ہوں ان کے متعلق اسلام کا عادلانہ قانون اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ ان کی مقدس ہستیوں کو بدنام کرنے اور ان پر الزامات لگانے کی لوگوں کو کھلی چھٹی دے دے کہ کسی ہی غلط سلط روایت وحکایت سے بلا تنقید وتحقیق ان کو مجروح قرار دے دیا جائے۔

مستشرقین اور ملحدین تو دشمن اسلام ہیں یہ اگر جان بوجھ کر بھی اسلام کے اس عادلانہ اور حکیمانہ اصول عدل وانصاف کو نظر انداز کریں تو ان سے کچھ مستبعد نہیں۔

مگر افسوس ان حضرات پر ہے جو ان کی مدافعت کے لئے اس خونیں میدان میں اترے تھے، انھوں نے بھی اس اسلامی اصول کو نظر انداز کر کے حضرات صحابہؓ کے بارے میں وہی طریقہ کار اختیار کر لیا جس کو مستشرقین نے اپنی سوچی سمجھی تدبیر سے اسلام اور اسلاف اسلام کے خلاف اختیار کیا تھا کہ صرف تاریخ کی بے سند اور خلط ملط روایات کو موضوع تحقیق اور مدار کار بنا کر انہیں روایات وحکایات کی بنیاد پر حضرات صحابہ کی تنقیص پر الزامات عائد کر دیئے۔

جبکہ یہ حضرات وہ ہیں کہ ان کی زندگی اور ان کے احوال کا بہت بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ کا جزو ہے، اور علم حدیث میں بڑی احتیاط و تنقید کے ساتھ مدون ہو چکا ہے اس طرح بہت بڑا حصہ خود قرآن کریم میں مذکور ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات قرآن کا نزول خاص خاص صحابہ کرام کے واقعات میں ہوا ہے پھر قرآن میں جو حکم آیا اگرچہ وہ سب مسلمانوں کے لئے عام قرار پایا مگر یہ صحابی تو خصوصیت سے اس کے مصداق تھے اس طرح غور کیا جائے تو انہیں آیات کے ضمن میں صحابہ کرام کے بہت سے حالات و معاملات آجاتے ہیں۔ جن حضرات کی زندگی کو سمجھنے اور ان کے حالات کو معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم کی محکم آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی احتیاط و تنقید و تحقیق کے ساتھ مدون کی ہوئی روایات موجود ہوں۔ اور ان کے بالمقابل فن تاریخ کی حکایات ہوں جن کے متعلق آئمہ تاریخ کا اتفاق ہے کہ ان حکایات و روایات میں نہ صحت سند کا اہتمام ہے، نہ راویوں پر جرح و تعدیل کا محدثانہ دستور ہے، بلکہ ایک مؤرخ کا دیانت دارانہ کام ہی اتنا ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق جتنی جس طرح کی روایات اس کو پہونچی ہیں وہ سب کو جمع کر دے۔ خواہ وہ اس کے مسلک و مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ تاریخ کی صحیح و سقیم روائتیں اگر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند و معتبر روایات کے خلاف کسی شخصیت کے بارے میں کوئی تاثر دیں اور ان پر کچھ الزامات عائد کریں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان مجروح بے سند تاریخی روایات کو قرآن و حدیث کی شہادتوں پر

پر ترجیح دے کر ان حضرات کو ملزم قرار دیدیا جائے۔

یہ صرف اسلامی عقیدت مندی اور صحابہ کی جنبہ داری کا مسئلہ نہیں بلکہ عقل وانصاف کا مسئلہ ہے غیر مسلم مستشرقین اور ان کے ہمنواؤں سے میرا سوال ہے کہ ایک شخص یا جماعت کے متعلق اگر دو طرح کی روایات موجود ہوں، ایک قسم کی روایات میں روایت کی پوری سند محفوظ ہے اس کے راویوں کو جرح و تعدیل کے معیار پر جانچا گیا ہے الفاظ روایت میں مکمل احتیاط برتی گئی ہے اور دوسری قسم ایسی روایات کی ہیں جن میں تمام رطب و یابس صحیح و غلط روایات بلا کسی سند کے آئی ہیں اور کہیں کوئی سند ہے بھی تو اس کے راویوں کی کوئی جانچ پڑتال نہیں کی گئی نہ روایت کے الفاظ ہی جانچ تول کر لیے گئے ایسے حالات میں وہ ان دونوں قسم کی روایات میں سے کس قسم کو اپنی ریسرچ اور تحقیق میں ترجیح دیں گے۔

اگر عقل وانصاف آج بھی کسی چیز کا نام ہے تو ایک کام کر دیکھیے کہ مشاجرات صحابہ اور ان کی باہمی جنگوں میں جو حضرات پیش پیش ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، طلحہ و زبیر حضرت عمرو بن عاص وغیرہ۔

ان حضرات کے حالات اور ایک دوسرے کے خلاف مقالات کچھ حدیث کی کتابوں میں بھی روایت حدیث کے اصول پر پرکھ کر جمع شدہ موجود ہیں اور انہیں حضرات کے کچھ حالات و مقالات تاریخی روایات میں آئے ہیں۔ ان دونوں قسم کی روایات کو الگ الگ پڑھ کر اپنے دلوں اور دماغوں کا جائزہ لیں کہ علم حدیث میں آئی ہوئی روایات انہیں معاملات کے متعلق کیا تاثر دیتی ہیں ؟ اور تاریخی

روایات ان کے بالمقابل کیا تاثر چھوڑتی ہیں ذرا اس تقابل کر کے دیکھیں تو کوئی شک نہیں رہے گا کہ حدیث میں جمع شدہ روایات سے اگر کسی صحابی کی کوئی زیادتی یا لغزش بھی معلوم ہوتی ہے تو اس کا مجموعی تاثر یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ان کی شخصیت مجروح نا قابل اعتماد ہو جائے بخلاف تاریخی روایات کے کہ ان کو پڑھ کر ایک انسان دونوں فریق کو یا کم از کم ایک فریق کو غلط کار، اقتدار پسند اور اقتدار ہی کے پیچھے جنگ لڑنے والا قرار دیگا۔ مستشرقین کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار و اختلاف پیدا کریں۔ صحابہ کرام کے سب گروہ نہیں تو بعض ہی کو مجروح غیر معتمد بنا دیں۔ انہوں نے اگر قرآن و سنت کی نصوص روایات سے آنکھیں بند کر کے صرف تاریخی روایات کی بنا پر حضرات صحابہ کے بارے میں کچھ فیصلے کئے تو کوئی بعید نہیں تھا۔ افسوس ان مسلم اہل قلم پر ہے جنہوں نے اس میدان میں قدم رکھنے کے ساتھ اسلام کے عادلانہ اصول تنقید اور حکیمانہ جرح و تعدیل کے اصول کو نظر انداز کر کے انہیں تاریخی روایات کو مدار کار بنا لیا۔ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ قطعیہ نے جن بزرگوں کی تعدیل نہایت وزن دار الفاظ میں فرمائی اور دین کے معاملے میں ان کے معتمد و معتبر ہونے کی گواہی دی جن کے بارے میں قرآن و سنت ہی کی نصوص نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان سے کوئی گناہ یا لغزش ہوئی بھی ہے تو وہ اس پر قائم نہیں رہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغفور و مرحوم اور مقبول ہیں اس کے بعد تاریخی روایات سے ان کو جرح و الزام کا نشانہ بنانا اسلام کے تو خلاف ہے ہی عقل و انصاف کے بھی خلاف ہے۔

امت کے اسلاف واخلاف صحابہؓ وتابعین اور بعد کے علماء امت کا جو اجماع اوپر نقل کیا گیا ہے کہ مشاجرات صحابہ اور باہم ایک دوسرے کے خلاف پیش آنے والے واقعات میں سکوت اور کف لسان ہی شیوۂ اسلام ہے۔ اس معاملے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آتی ہیں ان کا تذکرہ بھی مناسب نہیں۔

یہ کوئی اندھی عقیدت مندی یا تحقیق سے راہ فرار نہیں بلکہ صحیح تحقیق کا عادلانہ اور محتاط فیصلہ ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ کی رو سے یہ وہ مقدس گروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور امت کے درمیان واسطہ بنانے کے لئے منتخب فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر نے ان کے اعتقادات اعمال اخلاق وعادات میں وہ انقلاب عظیم برپا کیا کہ باوجود غیر معصوم ہونے کے ان کا قدم شریعت اسلام کے خلاف نہ اٹھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی نصرت میں ان کی خدمات حیرت انگیز ہیں جنکو دشمنان اسلام نے بھی حیرت کیساتھ سراہا ہے ان کی طرف جو قابل اعتراض بعض اعمال منسوب ہیں ان کا بہت بڑا حصہ تو وہ ہے جو سراسر جھوٹ وافتراء بھائی تحریک کی سازش اور روافض وخوارج کی گھڑی ہوئی خرافات ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بظاہر خلاف شرع ہیں مگر حقیقۃً خلاف شرع نہیں بلکہ شرع پر عمل کرنے کی ایک خاص صورت ہے جس کو انہوں نے اپنے اجتہاد شرعی سے تجویز

اور دین کے لئے ضروری سمجھا اگر اس میں ان سے خطار بھی ہوئی ہو تو وہ گناہ نہیں بلکہ اس پر ان کو حسب تصریح حدیث ایک اجر بھی ملے گا۔

اور اگر کوئی ایسا کام بھی کبھی کسی سے سرزد ہوا ہے جو خطار اجتہادی نہیں بلکہ حقیقۃً گناہ ہے تو اوّلاً ایسا کام ان کی پوری اسلامی زندگی میں اتنا شاذ ونادر ہے کہ ان کے لاکھوں حسنات اور اسلام کی اہم خدمات کے مقابلہ میں قابل ذکر بھی نہیں۔ پھر ان کے خوف خدا اور علم وبصیرت کے پیش نظر یہ ظاہر ہے کہ وہ اس پر قائم نہیں رہے بلکہ تائب ہوئے اور یہ بھی نہ ہو تو شاذ ونادر خطار گناہ ان کی عظیم الشان اسلامی خدمات اور لاکھوں حسنات کی وجہ سے معاف ہو گیا جس کی معافی کا اعلان حق تعالیٰ کی رضا ورضوان کے عنوان سے قرآن کریم میں کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں کیا عقل اور عدل وانصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ تاریخی روایات کو منافقین ومخالفین کی روایات اور جھوٹی حکایات سے خالی بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ روایات بمقابلہ روایات حدیث اور آیات قرآن کے مجروح واجب الترک ہیں۔

عین جنگ کے وقت بھی صحابہ کرام کی رعایت حدود

جماعت صحابہ کرام وہ مقدس اور خدا ترس گروہ ہے جو اپنے جائز اعمال بلکہ طاعات وعبادات پر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور خائف رہتا ہے کہ جب اپنی کسی اجتہادی خطار پر متنبہ ہو جاتا ہے تو ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف اور اس پر استغفار کرنا ان کا معمول

ہے مشاجرات صحابہ میں جو حضرات باجماع امت حق پر تھے اور حق کی مجبوری سے انہوں نے دوسروں پر تلوار اٹھائی اور فتح بھی پائی وہ بھی نہ اپنی فتح پر مسرور ہوئے نہ مفتوح حضرات کے مغلوب ہونے پر کوئی کلمہ فخر ان کی زبانوں سے نکلا۔ بلکہ متقابل فریق کو بھی اللہ والا نیک نیت مگر خطاء اجتہادی میں مبتلا سمجھ کر ان کے قتل اور نقصان پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا۔ صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت جو فریقین سے الگ غیر جانبدار رہی ان میں کسی کے ساتھ نہ رہی تھی ان کو معذور قرار دیا بلکہ ان حضرات کی تحسین بھی کی گئی۔ مندرجہ ذیل روایات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

(۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان میں جس چیز کا خلاف شرع ہونا ان کو ثابت ہو گیا اس سے توبہ کا اعلان کھلے طور پر فرمایا (شرح عقیدہ واسطیہ)

(۲) اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بصرہ کے سفر پر جہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا ندامت کا اظہار فرمایا۔ اور جب وہ اس واقعہ کو یاد کرتی تھیں تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ (شرح عقیدہ واسطیہ)

(۳) حضرت طلحہ رضؓ اپنے اس قصور پر ندامت کا اظہار فرماتے تھے کہ ان سے حضرت عثمان رضؓ کی مدد کرنے میں۔ کوتاہی ہوئی (ایضاً)

(۴) حضرت زبیر رضؓ نے اپنے اس سفر پر ندامت کا اظہار کیا جس میں جنگ جمل کا حادثہ پیش آیا (ایضاً)

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (اس قتال میں حق پر ہونے کے باوجود) بہت سے پیش آنے والے واقعات پر ندامت کا اظہار فرمایا (ایضاً)

حضرت علیؓ کا یہ واقعہ، حضرت اسحٰق بن راہویہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے موقعہ پر آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ مخالف لشکر والوں کے حق میں غلو آمیز باتیں کہہ رہا ہے، آپؓ نے فرمایا:

ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو، ان لوگوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے اس لئے ہم ان سے قتال کر رہے ہیں۔

(منہاج السنۃ ص۶۱ ج۲)

نیز ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ حضرت علی رضؓ نے دونوں فریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لایموتن احدٌ من ھؤلاء وقلبہٗ نقیّ إلّا دخل الجنۃ۔	ان میں سے جو شخص بھی صفائی قلب کے ساتھ مرا ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۸ فصل ۳۰)

اور جنگ صفین کے دوران راتوں میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ اچھا مقام وہ تھا جو عبداللہ بن عمرؓ اور سعد بن مالکؓ نے اختیار کیا کہ اس جنگ سے علیحدہ رہے کیونکہ یہ کام اگر انہوں نے صحیح کیا، تب تو ان کے اجر عظیم میں کیا شبہ ہے؟

اور اگر اس جنگ سے علیحدہ رہنا کوئی گناہ بھی تھا تو اس کا معاملہ بہت ہلکا ہے اور حضرت حسن رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے:۔

یاحسن یاحسن ماظن ابوک ان الامر یبلغ الیٰ ھٰذا ودّ ابوک لومات قبل ھٰذا بعشرین سنۃ،

(یعنی اے حسن! اے حسن! تیرے باپ کو یہ گمان کبھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا، تیرے باپ کی تمنا یہ ہے کہ کاش وہ اس واقعہ سے بیس سال پہلے فوت ہو گیا ہوتا)

اور جنگ صفین سے واپسی کے بعد لوگوں سے فرماتے تھے:۔ کہ امارتِ معاویہ رضؓ کو بھی برا نہ سمجھو کیونکہ وہ جس وقت نہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اُڑتے ہوئے دیکھو گے، (شرح عقیدہ واسطیہ ص۴۵۸، ص۴۵۹)

معجم طبرانی کبیر میں طلحہ بن مصرف سے روایت ہے کہ جب واقعۂ جمل میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے، حضرت علی رضؓ اپنے گھوڑے سے اترے اور ان کو اٹھالیا اور ان کے چہرے سے غبار صاف کرنے لگے اور رو پڑے اور کہنے لگے کہ کاش میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا (از جمع الفوائد ص۲۱۴ ج ۲)

سنن بیہقی میں ان کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے مقابلے پر قتال کرنے والے حضرات کے بارے میں حضرت علی رضؓ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ مشرک ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ شرک سے بھاگ کر ہی تو وہ اسلام میں آئے ہیں، پھر پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟

تو فرمایا :۔

اِن المنافقین لایذکرون اللہ الاّ قلیلا :۔

یعنی منافقین تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (اور یہ لوگ تو بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے ہیں)

پھر پوچھا گیا کہ پھر یہ کیا ہیں ؟ تو فرمایا ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(سنن بیہقی طبع دائرۃ المعارف دکن صـــ۱۷۳ـــ ج ۸)

اور اسی سنن بیہقی میں حضرت ربعی بن خراش کی روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :

انی لارجوا أن اکون و طلحۃ و زبیر ممن قال اللہ عزوجل (ونزعنا ما فی صدورھم من غل)

(سنن بیہقی صـــ۱۷۳ـــ ج ۸)

مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میں اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے : کہ (جنت میں) ان کے دلوں کی باہمی کدورتیں نکال دیں گے ،

(۶) اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا :۔ "کہ علی مجھ سے بہتر اور مجھ سے افضل ہیں" اور "میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے ، اور اگر وہ خون عثمان رض کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے

میں ہوں گا (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۲۹ ج ۷ و ص ۲۵۹ ج ۷)

(۷) جب حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ رونے لگے، اہلیہ نے پوچھا کہ آپ زندگی میں ان سے لڑتے رہے، اب روتے ہیں؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ تم نہیں جانتیں کہ ان کی وفات سے کیا فقہ اور کیسا علم دنیا سے رخصت ہو گیا "۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۲۹ ج ۸)

(۸) ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ضرار صدائی سے کہا کہ "میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو۔ اس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علیؓ کی تعریف کی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا:

"اللہ ابو الحسن (علیؓ) پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے "۔ (الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۴۳ - ۴۴ ج ۳)

(۹) قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر کے نام ایک خط میں لکھا:-

"اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علی) سے صلح کر لوں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہو گا اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا۔ اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا "۔ (تاج العروس ص ۲۰۸ ج ۷ مادہ " اصطفلین ")

(۱۰) متعدد مورخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جاکر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۷، ج ۷)

خلاصہ یہ ہے کہ جتنے حضرات صحابہ اس باہمی قتال میں وجوہ شرعیہ کی بناء پر پیش پیش تھے اور ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھکر مقابل سے لڑنے پر مجبور تھا۔ انہوں نے عین قتال کے وقت بھی حدود شرعیہ سے تجاوز نہیں کیا اور فتنہ فرو ہونے کے بعد ایک دوسرے کے متعلق ان کی روش بدل گئی اور جو کچھ نقصان دوسرے فریق کے لوگوں کو ان کے ہاتھ سے پہونچا باوجودیکہ وہ شرعی وجوہ کی بناء پر تھا پھر بھی اس پر ندامت و افسوس کا اظہار کیا۔

اللہ تعالیٰ کو ان واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی اس مقدس گروہ کے قلوب اور ان کے اخلاص للہ کا اور اپنی کوتاہیوں پر نادم و تائب ہونے کا حال معلوم تھا اس لئے پہلے ہی یہ سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے ان سب سے راضی ہونے کا اور ان کے ابدی جنت کا اعلان قرآن میں نازل فرمادیا تھا۔ جو در حقیقت اس کا اعلان ہے کہ اگر ان میں سے کسی سے کوئی واقعی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو وہ اس پر قائم نہیں رہے تائب ہوگئے اور ان کے نامہ اعمال سے اس کو محو کردیا گیا۔ کس قدر حیرت ہے کہ اسلام کی خدمت کا نام لینے والے بعض حضرات ان سب چیزوں سے آنکھیں بند کرکے مستشرقین و ملحدین کے طریقہ پر چل پڑے۔ ان حضرات کی شخصیات و ذات پر تاریخ کی غلط سلط اور خلط ملط روایات سے الزامات تراشنے لگے۔ جن کو خدا تعالیٰ نے معاف کردیا۔ انہوں نے ان کو معاف نہیں کیا۔

جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راضی ہونے کا اعلان کردیا یہ ان سے راضی نہیں ہوئے۔

اور جب ان سے کہا گیا تو جواب میں یہ کافی سمجھ لیا کہ ہم نے تو ایسے ثقہ اور مستند علماء اور محدثین کی کتبِ تاریخ سے نقل کیا ہے جن کے ثقہ اور معتمد علیہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور یہ نہ سوچا کہ ان حضرات نے فنِ تاریخ کو فنِ حدیث سے الگ کیوں کیا ان کا کلام فنِ حدیث میں جس معیارِ تنقید و تحقیق پر ہوتا ہے فنِ تاریخ میں وہ معیار نہیں ہوتا اس میں نہ سند مکمل ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی ہے نہ راویوں پر جرح و تعدیل کی، ان کی نظر میں خود یہ تاریخی روایات کا ذخیرہ اس کام کے لئے نہیں کہ ان سے کوئی عقیدہ کا مسئلہ ثابت کیا جائے یا کسی کی ذات و شخصیت کو ان کی بناء پر بلا تحقیق مجروح قرار دیدیا جائے، صحابہ کرام کا معاملہ تو بہت بالا و بلند ہے عام مسلمانوں میں سے بھی کسی کو ان تاریخی روایات کی بناء پر بلا تحقیق کے مجروح قابلِ سزا یا فاسق کہنے کی یا ایسے انداز میں پیش کرنے کی اجازت کسی کے نزدیک نہیں دی جا سکتی جس سے پڑھنے والے ان کو اقتدار پرست اور شریعت کے جائز و ناجائز سے بے فکر قرار دے

تنبیہ یہ بات مقدمہ کتاب میں وضاحت سے لکھی جا چکی ہے کہ اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ فنِ تاریخ کسی معاملہ میں قابلِ اعتماد نہیں۔ وہ فضول و بیکار ہے۔ علماء اسلام نے اس فن کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اس کی اسلامی اہمیت کی شاہد ہیں (اور مسلمان ہی درحقیقت اس فن کو باقاعدہ فن بنانے والے ہیں۔ مگر ہر فن کا ایک مقام اور درجہ ہوتا ہے۔ فنِ تاریخ کا یہ درجہ نہیں کہ

صحابہ کرام ذوات و شخصیات کو قرآن و سنت کی نصوص سے صرف نظر کرکے صرف تاریخی روایات کے آئینہ میں دیکھا جائے، اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے جس طرح فن طب کی کتابوں سے اشیاء کے حلال حرام یا پاک ناپاک ہونے کے مسائل و احکام ثابت نہیں کئے جا سکتے اگرچہ طب کی یہ کتابیں اکابر علماء ہی کی تصنیف ہوں

مشاجرات صحابہ اور کتب تواریخ

یہاں یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ عام واقعات و معاملات میں تاریخی روایات پر جتنا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مشاجرات صحابہؓ کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں ان تاریخی روایات پر اعتماد کا وہ درجہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو مشاجرات جس حد قتل و قتال تک پہونچے ان میں بنیادی طور پر منافقین کی سبائی تحریک کا ہاتھ تھا جن کی اسلام دشمنی کھلی ہوئی ہے پھر اسی تحریک کے نتیجہ میں خود عہد صحابہ ہی کے اندر روافض و خوارج دو فرقے پیدا ہو گئے تھے جو بعض صحابہ سے عداوت رکھتے تھے اور اس زمانے میں جیسے منافقین مسلمانوں کے ہر طبقہ، کام میں اسلامی شکل و صورت اور اسلامی رفتار و گفتار کیساتھ شریک رہتے تھے اسیطرح یہ صحابہ کرام کے مخالف گروہ بھی اس وقت آج کی طرح کسی ممتاز فرقہ کی حیثیت میں نہ تھے کہ ان کی کتابیں حدیث و فقہ کی الگ ممتاز ہیں۔ ان کے سارے کام اہل سنت والجماعت سے الگ ہیں اس وقت یہ صورت نہ تھی جس سے عام مسلمان متنبہ ہو سکتے۔ یہ سب کے سب مسلمانوں کی ہر جماعت ہر طبقہ میں ملے جلے تھے بہت سے مسلمان بھی اپنے حسن ظن اور ان کے عدم امتیاز کی وجہ سے ان کی باتوں اور روایتوں کو

اعتماد کر لیتے تھے۔ خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے مطابق بعض مسلمانوں کا منافقین کی باتوں سے متاثر ہونے کی تصریح فرمائی۔ وفیکم سمّاعون سماعون کے معنی جاسوس کے ہیں۔ اس طرح منافقین اور روافض وخوارج کی گھڑی ہوئی روایتیں بہت سے ثقہ اور معتمد علیہ مسلمانوں کی زبانوں پر بھی اعتماد کے ساتھ جاری تھیں۔ یہ معاملہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو تھا نہیں کہ اس میں روایات قبول کرنے میں کڑی احتیاط اور تیقظ کا مظاہرہ کیا جاتا ________ فتنوں اور ہنگاموں کے حالات اور ان میں مشہور ہونے والی روایات کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ شہر میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ پیش آجائے تو اسی زمانے اور اسی شہر کے رہنے والے بڑے بڑے ثقہ لوگوں کی روائتوں کا بھروسہ نہیں رہتا۔ کیونکہ جس شخص سے انہوں نے سنا تھا اس کو ثقہ ومعتمد سمجھ کر اس کی روایت بیان کردی مگر ہوتا یہ ہے کہ اس معتمد نے بھی خود واقعہ دیکھا نہیں کسی دوسرے سے سنا اور یوں روایت در روایت ہو کر ایک بالکل بے سروپا افواہ ایک معتمد علیہ روایت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

مشاجرات صحابہ کا معاملہ اس سے الگ کیسے ہو جاتا جبکہ اس میں سبائی تحریک کے نمائندوں اور روافض وخوارج کی سازشوں کا بڑا دخل تھا۔ اس لیے اسلامی تواریخ جن کو اکابر علماء محدثین اور دوسرے ثقہ ومعتبر حضرات نے جمع فرمایا اور اصول تاریخ کے مطابق ہر طرح کی روایات جو کسی واقعہ سے متعلق ان کو پہنچیں۔ تاریخی دیانت کے اصول پر سب کو بے کم وکاست درج کر دیا۔

تو اب سمجھ لیجئے کہ روایات کا مجموعہ کس درجہ قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔

عام دنیا کے واقعات وحالات میں جو تاریخی روایات جمع کی جاتی ہیں ان میں

س طرح کے خطرات عموماً نہیں ہوتے اس لئے کتب تواریخ کا وہ حصہ جو مشاجرات
صحابہ سے متعلق ہے خواہ اس کے لکھنے والے کتنے بڑے ثقہ اور معتمد علماء ہوں انکے
اعتبار کا وہ درجہ بھی ہرگز باقی نہیں رہتا جو عام تاریخی واقعات کا ہوتا ہے۔
حضرت حسن بصریؒ نے ان معاملات میں جو کچھ فرمایا اگر غور کرو تو اس کے
سوا کوئی دوسری بات کہنے اور سننے کے قابل نہیں حضرت حسن بصری کا یہ ارشاد پہلے
روایت ۱۲۱ میں بحوالہ تفسیر قرطبی گذر چکا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وقد سئل الحسن البصریؒ عن قتالھم فقال قتال شھدہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغبنا وعلموا وجھلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا۔	حضرت حسن بصریؒ سے قتال صحابہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا اس قتال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام حاضر تھے اور ہم غائب وہ لوگ حالات وواقعات اور اس وقت کی مقتضیات
قال المحاسبی فنحن نقول کما قال الحسن ونعلم ان القوم کانوا اعلم بما دخلوا فیہ منا ونتبع ما اجتمعوا علیہ ونقف عند ما اختلفوا ولا نبتدع رأیا منا ونعلم انھم اجتھدوا وارادوا اللہ عزوجل اذ کانوا غیر متھمین فی الدین ونسأل اللہ	شرعیہ سے واقف تھے ہم ناواقف اس لئے جس چیز پر ان کا اتفاق ہے اس میں ہم نے ان کی پیروی کی اور جس چیز پر ان کا اختلاف ہوا۔ اس میں ہم نے توقف اور سکوت اختیار کیا۔ حضرت محاسبی اس قول کو نقل کرکے حضرت حسن کے قول کو

العافیہ۔
(تفسیر قرطبی سورہ حجرات صفحہ ۳۲۲ ج ۱۶)

اختیار کرتے ہیں۔ اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ہم پوری طرح جانتے ہیں کہ ان حضرات نے اجتہاد کیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے طالب تھے کیونکہ دین کے معاملے میں یہ لوگ متہم نہیں تھے۔

یہ عقل و انصاف کا فیصلہ ہے یا تحقیق حق سے فرار،

غور فرمائیے کہ ہنگامی حالات اور منافقین و روافض و خوارج کی روایات کے شیوع نے روایات میں جو تلبیس اور شبہات پیدا کر دیئے تھے ایسے حالات میں حضرت حسن بصری رح نے جو فیصلہ فرمایا وہ عقل سلیم اور عین عدل و انصاف کا فیصلہ یا اندھی عقیدت مندی اور تحقیق حق سے فرار۔ نعوذ باللہ منہ

یہاں غور طلب یہ ہے کہ حضرت حسن بصری جو اجلہ تابعین میں سے صحابہ کرام کو دیکھنے والے ہیں وہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات میں پیش آنے والے ہنگاموں کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے حالات معلوم نہیں جس کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ حالات کا ایسا علم یقینی شرعی اصول کے مطابق نہیں ہے جس کی بنا پر کسی شخصیت پر کوئی الزام لگایا جا سکے۔

تو بعد کے آنے والے مؤرخین خواہ وہ آئمہ حدیث بھی ہوں جیسے ابن جریر ابن اثیر وغیرہ ان کو صدیوں کے بعد ان حالات کا علم اس پیمانے پر کیسے ہو سکتا

تھا جن پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اور نہ انہوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے بلکہ فن تاریخ کا جو چلا ہوا دستور ہر طرح کی موافق مخالف صحیح سقیم روایات جمع کر دینا ہے اس کے مطابق انہوں نے اپنی تاریخ میں ہر طرح کی روایات جمع کی ہیں۔

حضرت حسن بصری رہ کا یہ فیصلہ تو ایسا ہے کہ اس میں کسی عقیدہ اور مذہب کا دخل نہیں کوئی غیر مسلم بھی اگر انصاف پسند ہو تو اس کو بھی روایات تاریخی کے التباس و تضاد کے عالم میں اس کے سوا کسی فیصلے کی گنجائش نہیں کہ بے خبری اور ضروری قابل اعتماد معلومات نہ ہونے کی بناء پر سکوت کو اسلم قرار دے۔

اور جن حضرات علماء نے قرآن و سنت کی نصوص کی بناء پر یہ قرار دیا کہ ان میں سے جس کسی پر کوئی واقعی الزام کسی گناہ و خطاء کا ثابت بھی ہو جائے تو انجام کار وہ اس گناہ و خطاء سے بھی عند اللہ بری ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان کے ایسے اعمال کو مشغلہ بحث بنائے۔ اس کا مستشرقین انکار کریں تو کر سکتے ہیں کہ ان کا قرآن و رسول پر ایمان ہی نہیں، وہ ان کے ارشادات کو بھی غلط بتلاتے ہیں ان کی بناء پر کسی کی توثیق و تعدیل کیسے کریں مگر کسی مسلمان کے لئے تو ان کی مدافعت میں بھی اس کی گنجائش نہیں کہ ان کے اس کفر و انکار کو تسلیم کر کے اس بحث میں الجھ جائے۔ جس کا جال مستشرقین نے اسی لئے پھیلایا ہے کہ قرآن و سنت سے ناواقف یا بے فکر مسلمان اس میں الجھ کر اپنے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کا اعتماد کھو بیٹھیں۔ ایسے لوگوں کی مدافعت بھی کرنا ہے تو اس کا محاذ یہ نہیں کہ جہاں وہ مسلمانوں کو کھینچ کر لانا چاہتے ہیں بلکہ ان کی جنگ کا

محاذ یہ ہے کہ ان سے قرآن و رسول کی حقانیت اور صدق پر کلام کیا جائے جو اس کو نہیں مانتا اس سے مسلمانوں کے کسی گروہ و جماعت کا تقدس منوانے کا کیا راستہ ہے۔ ایسے حالات میں تو مسلمان کی راہ عمل قرآن نے بتلادی ہے کہ لکم دینکم ولی دین۔ یعنی تمہارے لئے تمہارا دین ہے ہمارے لئے ہمارا۔ کہہ کر اپنے ایمان کی حفاظت اور اس کو مضبوط کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ مسلمانوں کو قرآن و سنت کی نصوص سے مطمئن کریں اور غیروں کے اعتراضات کی فکر چھوڑ دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء امت نے جو مشاجرات صحابہ میں کف لسان اور سکوت کا مسلک قرار دیا۔ اور اس میں بحث مباحثہ کو خطرۂ ایمان بتلایا یہ کورانہ عقیدت مندی کا نتیجہ نہیں بلکہ عقل سلیم اور عدل و انصاف کا فیصلہ ہے۔

جن حضرات نے اس زمانے میں پھر ان مشاجرات صحابہ کو موضوع بحث بنا کر کتابیں لکھی ہیں اگر واقعی ان کا مقصد اس سے ملحدین و مستشرقین کا جواب اور مدافعت ہے تو ان کا فرض ہے کہ یا تو حضرت حسن بصری کے طریق پر ان کو ان کی اس گمراہی پر متنبہ کریں کہ اعمال و اخلاق اور کردار و عمل کے اعتبار سے جن انسانی ہستیوں کو دوست دشمن موافق مخالف سب نے بڑی حیثیت دی ہے ان کو بے اعتبار مجروح کرنے کے لئے جو ہتھیار تم استعمال کر رہے ہو وہ ہتھیار کند و ناکارہ ہیں، تاریخ کی بے سند بے تحقیق روایات سے کسی بھی شخصیت کو ملزم نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک وہ تواتر کی حد کو نہ پہنچ جائیں۔

یا پھر ان کو یہ بتلا دینا چاہیئے کہ ہم بحمد اللہ مسلمان ہیں اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں جن شخصیتوں کی تعدیل وتوثیق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کر دی اس کے خلاف اگر کوئی بھی روایت ہمارے سامنے آئے گی ہم اس کو بمقابلہ قرآن وسنت کی نصوص کے جھوٹ وافتراء یا کم ازکم مرجوح اور مجروح قرار دیں گے۔

ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

ان دو طریقوں کے سوا کوئی تیسرا طریقہ مستشرقین وملحدین کی مدافعت کا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خدانخواستہ اس بحث سے مقصود مدافعت نہیں محض تحقیق وریسرچ کا شوق پورا کرنا ہے تو یہ نہ اپنے ایمان کے لئے کوئی اچھا عمل ہے نہ مسلمانوں کے لئے کوئی اچھی خدمت۔

دردمندانہ گذارش

میں اس وقت اپنی عمر کے آخری ایام مختلف قسم کے امراض اور روز افزوں ضعف کی حالت میں گذار رہا ہوں۔ زندگی سے دور موت سے قریب ہوں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں فاسق فاجر بھی توبہ کی طرف لوٹتا ہے جھوٹا آدمی سچ بولنے لگتا ہے۔ ضدی آدمی اپنی ضد چھوڑ دیتا ہے۔

گریہ شام سے تو کچھ نہ ہوا ان تک اب نالہ سحر جائے
دل مجروح کی صدا ہے یہ کاش دل میں ترے اتر جائے

اس وقت کسی تصنیف وتالیف کے شوق نے مجھے یہ صفحات نہیں لکھوائے بلکہ امت مسلمہ کا وہ سویا ہوا فتنہ جس نے اپنے وقت میں ہزاروں

لاکھوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

اس وقت ملحدین اور مستشرقین کی گہری چال سے اس کو پھر بیدار کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے والے بہت سے فتنوں میں سے ایک اور نئے فتنے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ ملحدین اور مستشرقین کی شرارتوں اور اسلام دشمن سے ہمارے عوام اور نو تعلیمیافتہ حضرات نہ سہی مگر علم و بصیرت رکھنے والے مسلمان تو کم از کم واقف ہیں۔ ان کی باتوں سے اتنے متاثر نہیں ہوتے مگر ہمارے ہی مسلمان اہل قلم حضرات کی ان کتابوں نے وہ کام پورا کر دیا جو مستشرقین نہ کر سکتے تھے کہ خود لکھے پڑھے اہل علم اور پختہ ایمان مسلمانوں کے ذہنوں کو صحابہ کرام کے بارے میں متزلزل کر دیا اور حدود مذہب و دین سے آزاد علوم قرآن و سنت سے بے خبر نو تعلیم یافتہ نوجوانوں میں تو ان حضرات پر اس طرح طعن و تشنیع اور جرح و تنقید ہونے لگی جیسے موجودہ زمانے کے اقتدار پرست لیڈروں پر ہوتی ہے

اور یہ گمراہی کا وہ درجہ ہے کہ اس کے بعد قرآن و سنت توحید و رسالت اور اصول دین سبھی مجروح و ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے عام مسلمانوں کی اور اپنے نو خیز تعلیمیافتہ طبقے کی اور خود ان حضرات مصنفین کی خیر خواہی اور نصیحت کے جذبے سے یہ صفحات سیاہ کئے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ ان میں اثر دے اور یہ حضرات میری گذارشات کو خالی الذہن ہو کر پڑھ لیں جواب دہی کی فکر نہ کریں۔ اپنی آخرت کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ نجات آخرت کا راستہ جمہور امت کی راہ سے الگ نہیں ہو سکتا۔ جس معاملہ میں ان حضرات نے سکوت اور کف لسان کو اختیار کیا وہ کسی بزدلی یا

خوف مخالفت سے نہیں بلکہ عقل سلیم اور اصول دین کے مطابق سمجھ کر اختیار کیا۔
ان کے طریق سے الگ ہوکر محققانہ بہادری دکھانا کوئی اچھا کام نہیں ہو سکتا۔
اگر اپنی کوئی غلطی واضح ہو جائے تو آئندہ اس سے بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کا
اہتمام کریں اور جتنا ہو سکے سابقہ غلطی کا تدارک کریں۔ یہ بحثیں اور سوال وجواب
کی طمطراق بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے اور اس کا ثواب یا عذاب باقی رہنے
والا ہے۔ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم ؛ نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت وچہ معانیم

آخر میں اپنے لئے اور سب اہل علم بھائیوں کے لئے اس دعا پر ختم کرتا ہوں

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا
اجتنابہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم وعلی اصحابہ خیار الخلائق بعد الانبیاء ونسأل اللہ ان یرزقنا
حبھم وعظمتھم ویبعدنا من الوقوع فی شیئ یشینھم وان یحشرنا فی زمرتھم
قد اخذت فی تسویدہ لغرۃ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۱ھ فجاء بعون
اللہ سبحانہ وحمدہ فی احد عشر لو یا کما تراہ واللہ سبحانہ وتعالےٰ
اسئل ان یتقبلہ۔

بندہ ضعیف وناکارہ
محمد شفیع عفا اللہ عنہ
خادم دار العلوم کراچی۔
یوم الجمعہ ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۱ھ

ٹائیٹل پرنٹ، مرکنٹائل پرنٹنگ پریس کراچی۔ فون ۲۲۸۹۳